سہ ماہی

پیشوا انٹرنیشنل

لندن

مسلسل آٹھ برس سے اردو زبان میں لندن سے شائع ہونے والا منفرد سہ ماہی رسالہ

جلد 8۔ شمارہ۔ 1. جنوری تا مارچ 2021ء۔ زیر ادارت رانا محمد حسن خاں

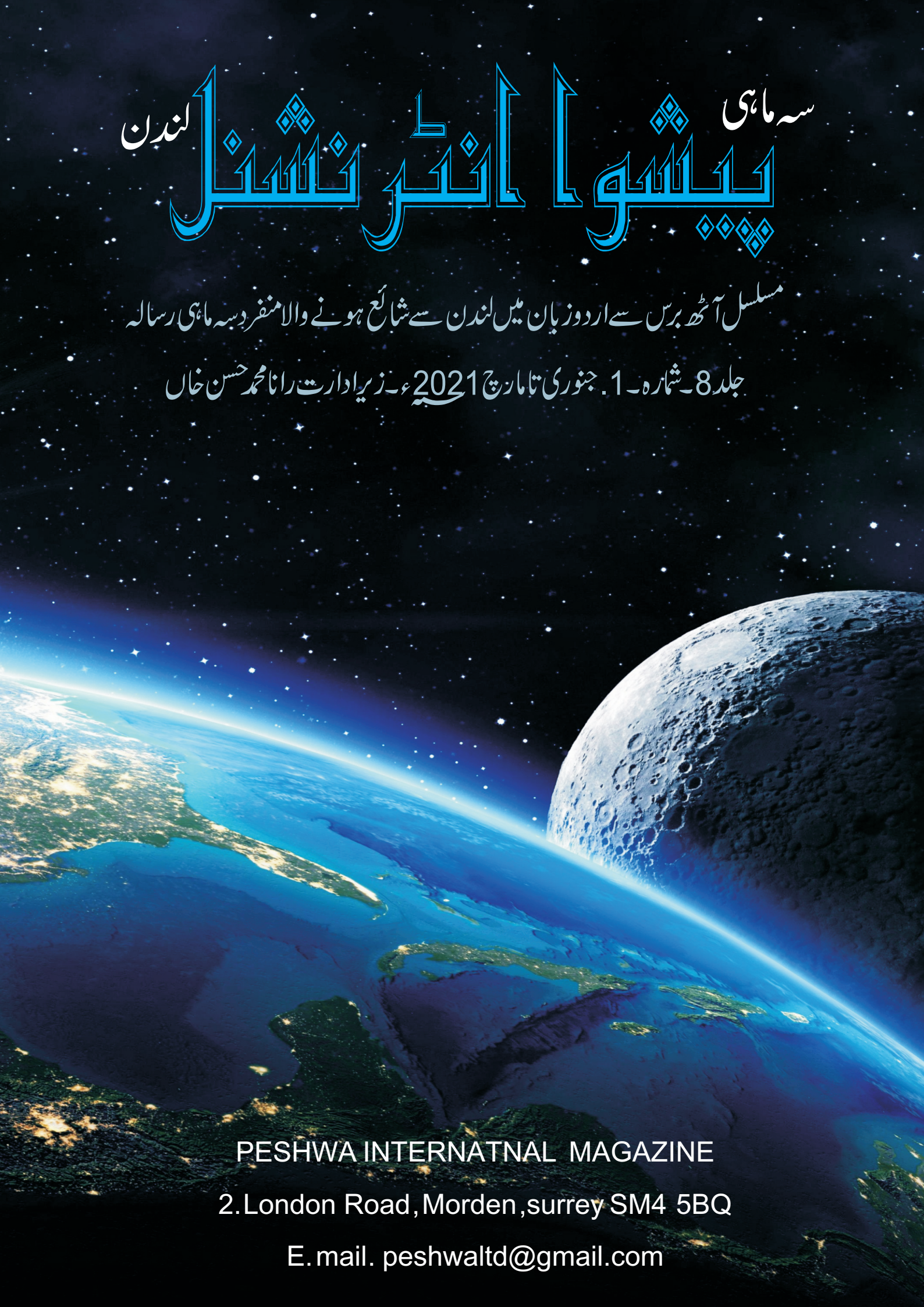

PESHWA INTERNATNAL MAGAZINE

2. London Road, Morden, surrey SM4 5BQ

E. mail. peshwaltd@gmail.com

RH DREAM EVENTS LIMITED

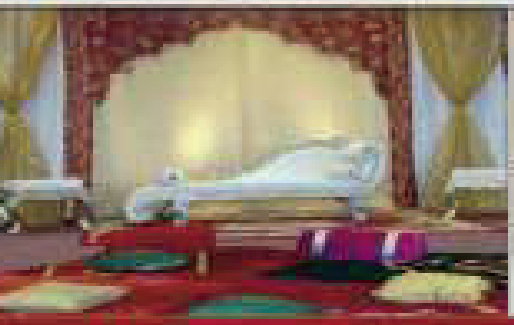

TEL: 020 3674 7909 **MOB: 077 9299 8973**

- Venue Hire
- Decoration
- Catering
- Cutlery & Crockery
- Service Staff

BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER

Package Price

- Event Management
- Cinematic Videography
- Photography
- DJ-Dhoolchi
- Chauffeur Service

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey

Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)

Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔مشعل راہ	2
اداریہ ''کرپشن بددیانتی بمقابلہ کرپشن بددیانتی''	3
عربی کی جبری تعلیم، روزگار اور ایمانیات!!!	5
علامہ اقبال اور تصویرِ عیش امیر!	8
''پاکستان کے تعلیمی نصاب پر صلیبی حملے''	9
ہم نئے نئے آئے تھے... II	11
''پیسہ سب کچھ ہے شرافت نہیں دیکھی جاتی''	12
''بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل''	13
وہ میرا سگا بھائی ہے!	15
مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار (قسط14)	18
''عرب بہار: سازش یا کچھ اور!''	23
خوشبو کا سفر!	26
بھارت میں کسانوں کی تحریک!	31
مولوی ایک جماعت بن کر رہ گئے!	32
جنرل ایوب اور مولوی تمیز الدین اب بھی موجود ہیں؟	35
ہومیوپیتھک نسخہ جات (برائے جلد۔خارش، ایگزیما، چنبل) (قسط5)	37
شمائل نبوی ﷺ۔آنحضرتؐ کی رویاء و کشوف اور پیشگوئیاں (قسط12)	40
آوارگانِ دشتِ خار (قسط23) شیخ صاحب، مولوی اور عمران خان!۔	
موت کا فرشتہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام۔تدفین، ڈھول اور بینڈ باجے کے ساتھ۔مفتی، چاند اور اوریا مقبول جان!!	12
'میڈا عشق وی توں۔۔۔'' پٹھانے خان	43
شعر و شاعری۔عبید اللہ علیم۔رانا محمد حسن۔محمد علی جوہر۔بشریٰ حفیظ صاحبہ۔منیر احمد باجوہ۔راجہ محمد یوسف خان۔بشارت سکھی صاحبہ۔ جمشید الحفیظ چشتی۔جگر مرادآبادی۔شاذ تمکنت۔معین احسن جذبی۔شہریار۔ مبارک صدیقی۔سلیم شہزاد۔پروین شاکر	46
مشتاق احمد یوسفی کے اقوال و اقتباسات	51

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 2 پاؤنڈ ... سالانہ ممبرشپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَیۡكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ۔ (البقرۃ: 184)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

حدیث النبی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور اپنا محاسبہ نفس کرتے ہوئے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔'' ''اور اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ رمضان کی کیا کیا فضیلتیں ہیں تو تم ضرور اس بات کے خواہشمند ہوتے کہ سارا سال ہی رمضان ہو۔''

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب صوم رمضان احتسابا من الایمان حدیث 38)

مشعل راہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ روزوں کی فرضیت اور بعض چیزوں سے بھی پرہیز اس لئے ہے تا کہ تم تقویٰ میں ترقی کرو۔ اور تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ گناہوں سے بچو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو اور اس طرح بچو جس طرح کسی ڈھال کے پیچھے چھپ کے بچا جاتا ہے۔ اور انسان جب کسی چیز کے پیچھے چھپ کر بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں ایک خوف بھی ہوتا ہے۔ جس حملے سے بچ رہا ہوتا ہے اس کے خوف کی وجہ سے وہ پیچھے چھپتا ہے۔ تو فرمایا کہ روزے رکھو اور روزے رکھنے کا جو حق ہے اس کو ادا کرتے ہوئے رکھو تو تقویٰ میں ترقی کرو گے۔ ورنہ ایک روایت میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تمہیں بھوکا رکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ تم نے جو غلطیاں اور گناہ کئے ہیں ان کے بدنتائج سے بچنے کے لئے میں نے ایک راستہ تمہارے لئے بنایا ہے تا کہ تم خالص ہو کر دوبارہ میری طرف آؤ۔ اور ان روزوں میں، رمضان میں روزہ رکھنے کا حق ادا کرتے ہوئے میری خاطر تم جائز باتوں سے بھی پرہیز کر رہے ہوتے ہو اور تمہاری اس کوشش کی وجہ سے مَیں بھی تم پر رحمت کی نظر ڈالتا ہوں اور شیطان کو جکڑ دیتا ہوں۔ تا کہ تم جس خوف کی وجہ سے روزہ رکھتے ہو اور روزہ رکھتے ہوئے اس ڈھال کے پیچھے آتے ہو، تقویٰ اختیار کرتے ہو تا کہ اس میں تم محفوظ رہو، اور تمہیں شیطان کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ تقویٰ جو ہے، یہ ڈھال جو ہے، یہ شیطان کے حملوں سے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش جو ہے، یہ تمہارے روزے رکھنے کی وجہ سے تمہاری حفاظت کر رہی ہے۔ اس لئے ایک مجاہدہ کر کے جب تم اس حفاظت کے حصار میں آ گئے ہو تو اب اس میں رہنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ اب اس حصار کو، اس تقویٰ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہے۔ اور جو پہلے ہی نیکیوں پر قائم ہوتے ہیں وہ روزوں کی وجہ سے تقویٰ کے اور بھی اعلیٰ معیار حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب پانے والے بنتے چلے جاتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ روزہ صرف اتنا نہیں ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے کھانا پینا چھوڑ دیا تو تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ روزے کے ساتھ بہت ساری برائیوں کو بھی چھوڑنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی پہلے سے بڑھ کر کرنی ہوگی تبھی تقویٰ بھی حاصل ہوگا اور اس میں ترقی بھی ہوگی۔

(مرسلہ انا ثمرین صاحبہ۔ لندن۔ خطبہ جمعہ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

اداریہ ”کرپشن بددیانتی بمقابلہ کرپشن بددیانتی“

ونسٹن چرچل نے کہا تھا کہ Fear-thought is the cause of much unhappiness and many failures. گزشتہ تین چار ماہ سے عمران حکومت نے خوف کے سائے میں کچھ ایسے فیصلے کیے جو ان کے لیے شرمندگی اور ان کی بدنامی کا باعث بنے۔ پہلا واقعہ ڈسکہ میں ہونے والا ضمنی الیکشن این اے ۷۵ کے دوران دیکھنے میں آیا۔ صرف اس خوف سے کہ اگر ن لیگ یہ سیٹ جیت گئی تو حکومت کی کارکردگی پر انگلیاں اٹھیں گی، کم از کم بیس پولنگ اسٹیشنوں سے پولنگ باکس کے ساتھ ساتھ انتخابی عملہ کو بھی کئی گھنٹوں کے لیے غائب کروادیا گیا۔ پولنگ کے دوران اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں دو شہری بھی ہلاک ہوئے۔ اس دھاچوکڑی کا نتیجہ کسی صورت بھی حکومت کے لیے قابل تعریف اور باعث عزت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ الیکشن کمیشن نے تحقیقات کے بعد ڈسکہ کے حلقہ این اے ۷۵ میں دوبارہ پولنگ کرانے کا حکم دیا مگر حکومت نے اس حکم کے خلاف عدالت میں جانے کا فیصلہ کیا مگر عدالت نے بھی دوبارہ الیکشن کرانے کا حکم دے کر حکومت کی بدنیتی اور دھاندلی پر مہر ثبت کر دی۔ حکومت نے نا صرف اپنے خوف کی بنا پر شرمندگی اٹھائی بلکہ قوم کا، عدالتوں کا اور اپنا وقت ضائع کیا نیز کروڑوں روپے بھی کوڑے دان میں پھینک دیے۔ اگر حکومت دھاندلی کی مرتکب نہ ہوتی تو یہ سیٹ ہار جانے کے باوجود اس کے قد کاٹھ میں اضافہ ہوتا۔ ہارنے کے خوف کی وجہ سے عمران حکومت کو بہت ساری ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور ان ناکامیوں کا نام خوشی بہر حال نہیں ہو سکتا۔

سینیٹ الیکشن بھی حکومت کے لیے سبکی اور ذلت و رسوائی کا باعث بنا۔ حکومت کے اپنے کم از کم سولہ ممبران اسمبلی بک گئے۔ حکومت یہ تو شور مچاتی رہی کہ ستر کروڑ روپے فی ممبر خریدا جا رہا ہے مگر اپنے ممبران کو بکنے سے روکنے میں مکمل طور پر ناکام رہی۔ حکومت نے سر توڑ کوشش کی کہ اسے سینیٹ ہاؤس میں برتری مل جائے مگر جس بات کا عمران حکومت کو خوف تھا وہ ہو کر رہی، اپوزیشن کو برتری مل گئی، اور پھر عمران کو اعتماد کا ووٹ لینا پڑا۔ بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اعتماد کا ووٹ لینے سے پہلے سولہ بکاؤ ممبران کو کوئی سزا نہ دی گئی ان سولہ منافقوں کو جانتے بوجھتے ہوئے سینے سے لگائے رکھا گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جن ۶ بکاؤ ممبران نے اپوزیشن کو برتری دلائی تھی، انہیں کے دم سے عمران، وزیر اعظم کی کمزور کرسی پر بیٹھے رہنے کے قابل ہوئے ہیں۔ سینیٹ الیکشن میں برتری نہ ملنے کا غصہ عمران پارٹی نے سینیٹ چیئرمین کے انتخاب کے روز نکالا۔ اور وہ تمام منفی ہتھکنڈے استعمال کیے جن کا الزام اپوزیشن پر لگاتے رہے تھے۔ اور اقلیت ایک بار پھر اکثریت میں تبدیل ہوگئی۔ اگر غور کیا جائے تو صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ سیاستدانوں کے لیے کرسی سے جدا ہونے کا خوف بہت بھاری، سوہان روح ہے۔ یہی خوف ساری قوم کو بھی ہے، اسی لیے کرپشن نے وطن عزیز میں مستقل بنیادوں پر ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ یہی اختیارات چھن جانے کا دکھ ہماری قومی بدحالی اور ناکامیوں کی وجہ ہے۔ اگر عمران خان کرپشن بددیانتی کا مقابلہ کرپشن بددیانتی سے کرنے کی بجائے، اصولی سیاست کرتے ہوئے اعتماد کا ووٹ بکاؤ، منافق ممبران سے لینے کی بجائے ان کو عبرت کا نشان بنا کر کرسی چھوڑ دیتے تو ان کا سیاسی و اخلاقی قد بڑھ جاتا۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ تمام سیاستدانوں کے سیاسی کھیل کا حاصل کرسی ہی کے گرد گھومتا ہے، ناں کہ عوام کی خدمت و تربیت۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسائل کا حل سرخ مارشل لاء کے بغیر ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ کسی مثبت سوچ رکھنے والے جرنیل کا آنا وطن عزیز کے لیے روشنی کی کرن ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسے جرنیل کو آئین، کرپٹ جرنیلوں، منافق سیاستدانوں اور مذہبی غنڈوں کو دفن کر کے اپنے کام کا آغاز کرنا چاہیے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آمروں کو ایسی دعوت دینا اچھی بات نہیں، مگر جب سیاستدان ملک کے حصے بکھرے کرنے کے درپے ہوں، عوام کی بدحالی ثریا کو چھو رہی ہو، اسلام کے نام پر

شیطانیت رقص کر رہی ہو، کرپشن قوم کے رگوں میں سرایت کر چکی ہو، اقلیتوں، خواتین، بزرگوں اور بچوں کو دن رات ذلیل کیا جاتا ہو، انصاف اور فتوے، طوائف کی طرح بکتے ہوں، مذہب کے نام پر جاہل غریب عوام کے گلے میں بدرسومات کا طوق ڈال دیا گیا ہو، دھوکا دہی اور امانت میں خیانت کو خوبی سمجھا جاتا ہو، آئین اقلیتوں کے حقوق ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ قومی مجرموں کو تحفظ فراہم کرتا ہو، وغیرہ وغیرہ تو ایسے آمروں کو دعوت دینا جو آہنی ہاتھوں سے مسائل حل کرنے کی قوت رکھتے ہوں، گناہ نہیں ثواب کا کام کہلائے گا۔ اگر مزید کچھ دیر ہوگئی تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا حشر بھی قرآن کریم کی ان آیات کی جیتی جاگتی تصویر بن سکتا ہے جن میں سابقہ قوموں کے بداعمال کے نتیجے میں آنے والے عذابوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین

اب عمل کی ضرورت ہے، جھوٹ اور منافقت جیسے خبیث بتوں کو توڑنے کا وقت ہے، فقط باتوں سے حالات بدلنے کے نہیں، بزبان شاعر

جھوٹ کو کبھی بھی پھل نہیں لگتے ۔۔۔ بنا کوشش کے حالات بدل نہیں سکتے
جہاں ہوتا ہے فقط منافقت کا اندھیرا ۔۔۔ باتوں سے چراغِ امن جل نہیں سکتے

’’یار پر دِل قُربان، صدقے جاں ہوتی ہے‘‘ (کلام: رانا محمد حسن خاں)

’کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے‘ ۔۔۔ یہ تو یارو تنہائی میں جواں ہوتی ہے
جب سچی محبت کے چرچے ہوتے ہیں ۔۔۔ تو ساری دُنیا حیران و پریشاں ہوتی ہے
محبت تڑپتی ہے اکثر شبِ تنہائی میں ۔۔۔ سرگوشئ یار ہی درد کا درماں ہوتی ہے
محبت تو سدا دُکھ اُٹھاتی ہے مگر ۔۔۔ یار پر دِل قُربان، صدقے جاں ہوتی ہے
سچی محبت کو ملتا ہے یہ اعزاز دوستو! ۔۔۔ زبانِ محبوب ہی یار کی زباں ہوتی ہے

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تاکہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔ اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ادارہ پیشوا بلاتفریق مذہب و ملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔ سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔ معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔ انشاءاللہ۔ (چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔ لندن)

عربی کی جبری تعلیم، روزگار اور ایمانیات!!

(تحریر: ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔ آسٹریلیا)

چند روز قبل ایک میڈیکل سینٹر میں ایک آسٹریلین ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی جو شارٹ ٹرم کانٹریکٹ (Locum) پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ مریضوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی اور سبھی مصروف تھے، موصوف سے کاریڈور میں آمنا سامنا ہونے پر مختصر تعارف اور علیک سلیک ہوا اور میں نے کہا کہ جب ذرا فارغ ہوں تو گپ شپ لگائیں گے تو اس پر انہوں نے تھوڑا قریب ہو کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا "انشاءاللہ!"۔

اس وقت تو راقم کی خوشگوار حیرت کو بھانپ کر وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے لیکن پھر کھانے کے وقفہ میں تفصیل بتائی کہ انہوں نے سعودی عرب میں کوئی پانچ سال اور اس سے قبل (صدام حسین کے) عراق میں، جب راوی چین ہی چین لکھتا تھا، سات سال کام کیا ہے۔

میں نے انہیں کہا کہ پھر تو جناب کو عربی فر فر آتی ہوگی تو انہوں نے کہا کہ نہیں، بس گنتی کے چند الفاظ ہی آتے ہیں۔

خیر پھر موضوع گفتگو کسی اور طرف کو ہو گیا لیکن ان کے جواب پر مجھے یاد آیا کہ آسٹریلیا پہنچنے کے بعد جس پرائیویٹ میڈیکل گروپ کو احقر نے پہلی مرتبہ جوائن کیا تھا اس کے برطانوی نژاد مینیجنگ ڈائریکٹر بھی سعودی عرب کے ایک ہسپتال میں کئی سال بطور ڈپٹی ایڈمنسٹریٹر کام کر چکے تھے اور عربی سے نابلد تھے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی بات سن کر اور اپنے مذکورہ محسن کو یاد کرتے مجھے بے اختیار یاد آیا کہ پاکستان میں تو وہاں کے ایوان بالا یعنی سینیٹ میں دو ماہ قبل ایک ایسے بل کی متفقہ طور پر منظوری دی گئی ہے جس کیتحت اسلام آباد (پتہ نہیں صرف اسلام آباد ہی کیوں؟) کے سکولوں میں عربی زبان کی تدریس لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ درجہ ششم سے لے کر بارہویں جماعت کے طلباء و طالبات کے لئے (جنہیں یونیورسٹی میں داخلہ کے حصول کے لئے پہلے ہی بہت زیادہ نصابی دباؤ اور محنت سے دوچار ہونا پڑتا ہے) عربی زبان کی گرامر، اور صرف و نحو سیکھنا بھی لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔

وجہ اس کی یہ بیان کی گئی کہ عربی زبان پر عبور حاصل کرنے سے ایک تو پاکستانی نوجوانوں کے لئے عرب ممالک میں روزگار حاصل کرنے کے مواقع بہت بڑھ جائیں گے اور دوسرے یہ کہ عربی زبان سیکھنے سے ہماری نئی نسل قرآن مجید کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکے گی اور نتیجتاً وہ ایک اچھے مسلمان اور اچھے شہری بھی بن سکیں گے۔

یہ بل مؤرخہ یکم فروری کو مسلم لیگ نواز گروپ کے ممبر سینیٹر جاوید عباسی صاحب نے پیش کیا۔ اس بل کے پیش کرنے کی جو توجیہات بیان کی گئی ہیں ان پر اپنی حقیر رائے کا اظہار کرنے سے پہلے واضح کرتا چلوں کہ راقم کو عربی زبان سے بے پناہ محبت ہے۔ قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا، پیارے پیمبر آخر الزماں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلوآلہ وسلم کی زبان بھی عربی تھی اور سنتے ہیں کہ جنت میں بولی جانے والی زبان بھی عربی ہوگی اور خواہ جنتیوں کی مادری زبان دنیا میں کوئی بھی تھی انہیں جنت میں عربی خوب اچھی طرح سمجھ میں آئے گی (واللہ اعلم)۔ اسی طرح عربی کو اُمّ الالسنہ، یعنی تمام زبانوں کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔

راقم کی حقیر رائے میں ہائی سکول اور کالج میں عربی زبان کو بطور لازمی یا جبری مضمون نہیں بلکہ اختیاری مقرر کرنا چاہیئے۔ سوائے ان طلباء کے جو یونیورسٹی کی سطح پر عربی زبان (یا اسلامیات) میں ایم اے یا پی ایچ ڈی وغیرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، تاکہ وہ اعلیٰ سطح کی عربی تعلیم کا سفر بلا دقت و دشواری جاری رکھ سکیں۔

پاکستانی بچوں پر پہلے ہی کم از کم تین اور بعض مرتبہ چار زبانیں سیکھنے کا بوجھ پڑا ہوا ہے۔ پشتو، سرائیکی، چترالی۔ سندھی، بلوچی، پنجابی وغیرہ بولنے والے طلباء کی ایک خاصی تعداد تو اردو گرامر اور "سلیس" ترجمہ میں بھی فیل ہو جاتی ہے۔ انہی کا ہی نہیں بلکہ گھروں میں اردو بولنے والے کافی سارے بچوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ مادری زبان کے علاوہ علاقائی زبان سیکھنے کا بوجھ بھی سر پہ ہوتا ہے۔ اور پھر ہمارے نصاب میں انگریزی بھی ایک لازمی مضمون ہے۔ اس کے ساتھ آپ کو بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، میتھس، اور سٹیٹسٹکس جیسے مشکل مضامین میں بھی اچھے نمبر لینے ہوتے ہیں تاکہ یونیورسٹی میں اپنی پسند کے ڈگری کورس میں داخلہ مل سکے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عربی زبان پر عبور حاصل ہونے سے عرب ممالک میں ملازمت کے مواقع بڑھ جائیں گے تو سینیٹر صاحب موصوف کو اس سے متعلق اعداد و شمار پر مشتمل ثبوت پیش کرنے چاہیئے تھے کیونکہ جہاں تک آسٹریلین شہریوں کا تعلق ہے صرف متحدہ عرب امارات میں اس وقت 23000 گورے آسٹریلین ماہرین کام کر رہے ہیں۔ سعودی عرب میں لگ بھگ 6000 اور اسی طرح دیگر عرب ممالک میں ہزاروں آسٹریلین ملازمت کر رہے ہیں ان میں سے کتنوں نیسکول یا کالج میں عربی زبان اور اس

کی گرامر پڑھی ہوئی ہے؟۔آسٹریلیا تو پھر ایک کم آبادی والا ملک ہے،ان سے بھی کہیں زیادہ کی تعداد میں امریکی، برطانوی، یورپی گورے (اور غیر مسلم) ماہرین ہیں جو عرب ممالک میں اعلیٰ سطح کی خدمات سرانجام دیرہے ہیں۔

چنانچہ ایک رپورٹ کے مطابق صرف یو اے ای میں 65000 برطانوی اور 45000 امریکی کام کررہے ہیں۔کیا ان سب نے سکولوں میں عربی صرف ونحو پڑھی تھی اس لئے ان کو وہاں جاب ترجیحی بنیادوں پر مل گئی تھی؟۔ہرگز نہیں۔

اسی سوال کا اطلاق ان دوعدد آسٹریلین شہریوں پر بھی ہوتا ہے جن کا ذکر راقم نے تحریر کے آغاز میں کیا ہے۔

معروف ماہر تعلیم اور ماہر تھیوریٹکل فزکس سائنسدان محترم پروفیسر ہود بھائی نے اسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنے ایک کالم میں (جو کہ انگریزی روزنامہ ڈان میں شائع ہوا)،لکھا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ خلیجی ممالک میں جن افراد کو ملازمت کی اولین پیشکش کی جاتی ہے ان میں مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے مختلف علوم کے ماہرین شامل ہیں جن کی عربی زبان سے شد بد صفر ہوتی ہے۔بھارتی شہریوں کا نمبر بھی بہت بعد میں آتا ہے جن کی محض دس فیصد تعداد کو اونچے درجہ کی ملازمتیں ملتی ہیں جبکہ بقیہ کو عام مزدوری والی یا پھر کنسٹرکشن کے شعبہ میں ملازمت ملتی ہے۔پاکستانیوں کا نمبر ان سے بھی بہت نیچے ہے،جن کی محض تین فیصد تعداد اچھی ملازمت حاصل کرپاتی ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ "اگر عربی بول چال پہ عبور حاصل ہونا عرب ممالک میں ملازمت دلانے میں معاون و مددگار بن سکتا ہے تو کیا آپ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ پاکستانی مدرسوں میں قرآنی علوم اور عربی سیکھنے میں ایک عمر صرف کردینے والے ہزاروں لاکھوں پاکستانی فارغین مدرسہ کو عرب ممالک میں ہاتھوں ہاتھ ملازمتیں مل سکتی ہیں؟نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان فارغین مدرسہ کو عرب ممالک میں ملازمتیں ملنے کا امکان صفر ہے۔

جب آپ سکول کے بچوں پر جبراً عربی زبان کا اضافی بوجھ بھی ڈال دیں گے تو ان کی دیگر مضامین میں کارکردگی متاثر ہوسکتی ہے۔اوپر سے آپ ان کو عربی سکھاتے بھی ہیں تو کس قسم کی؟۔قدیم روائتی یا کلاسیکی عربی، جو آج کل کے جدید دور میں عرب ممالک میں روزمرہ میں استعمال نہیں ہوتی۔اس قسم کا خیال رکھنا ایسا ہی ہے جب آپ شیکسپیئر دور کی انگریزی پڑھ کر اس احمقانہ خوش فہمی میں مبتلا ہوجائیں کہ ہاں اب میں انگلینڈ میں جاب کرنے کے قابل ہوگیا ہوں!"۔

(1607107/ news/ www.dawn.com//:https)

پروفیسر ہود بھائی کے اس بے لاگ اور مبنی بر حقیقت تبصرہ سے راقم مکمل اتفاق کرتا ہے۔

سینیٹر جاوید عباسی صاحب اول طور پر تو اسلام آباد کیعلاقہ میں قائم لگ بھگ 370 دینی مدارس میں عربی پڑھنے والے تقریباً 20000 بیس ہزار طلباء و طالبات کو عرب ممالک میں ملازمت ملنے کی گارنٹی دیں اس کے بعد عام سکولوں میں عربی زبان کو لازمی قرار دلوائیں۔

یہاں یہ ذکر بھی کرتا چلوں کہ ایک رپورٹ کے مطابق وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے ان مدارس میں سے لگ بھگ 179 مدارس ایسے ہیں جو غیر رجسٹرڈ اور غیر قانونی ہیں۔ان کی اکثر تعداد مبینہ طور پر ناجائز طور پر قبضہ کی گئی زمین پر تعمیر کی گئی مسجدوں سے ملحق اور وابستہ ہے۔ان پر ہاتھ ڈالنا کسی بھی حکومت کے بس کی بات نہیں رہی۔کیونکہ ایک مرتبہ بن جائے تو پھر ایسی مسجد اور مدرسہ کی عمارت کو مسمار کرنے کی جرائت کسی کا باپ بھی نہیں کرسکتا۔

/09/ 2008/ story/ pakistan/ urdu/ www.bbc.com//:https

ایسی صورتحال میں طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستانی عوام عربی اور اسلامی علوم پر مہارت حاصل کرنے کے بعد واقعی اچھا مسلمان اور اچھا شہری بن جاتے ہیں؟۔کیا اسلام آباد کی لال مسجد کی ڈنڈا بردار فورس اچھے پاکستانی تھے۔جو پڑھتے اور پڑھاتے تو یہ ہیں کہ "مسجد نبوی جس جگہ قائم کی گئی وہ دراصل دو یتیموں کی زمین تھی۔ورثاء اور سرپرست اسے ہدیہ کرنے پر بضد تھے اور اس بات کو اپنے لیے بڑا اعزاز سمجھتے تھے کہ ان کی زمین شرف قبولیت پا کر مدینہ منورہ کی پہلی مسجد بنانے کے لیے استعمال ہو جائے مگر آنحضور ﷺ نے بلا معاوضہ وہ زمین قبول نہیں فرمای، بلکہ باقاعدہ طور پر دس دینار قیمت طے پائی اور آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی ادائیگی کا حکم دیا اور اس کے بعد اس جگہ پر مسجد کی تعمیر کا فیصلہ ہوا"۔

لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تو یہ قریباً 50 فیصد عربی دان قبضہ گروپ ہے جو نہ کسی سے اجازت لیتا ہے،نہ قیمت ادا کرتا ہے اور نہ ہی اپنی مسجد اور اس کا مدرسہ رجسٹرڈ کرواتا ہے۔کیا ایک مسلمان اور اچھے شہری کا یہی وطیرہ ہوتا ہے؟۔

معروف اسلامی سکالر محترم جاوید غامدی صاحب کا کہنا بالکل بجا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی جگہ پر نماز ادا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور اتنا احساس ہونا چاہیے کہ ناجائز مسجد کو عبادت گاہ ماننے سے انکار کردیں۔مگر یہاں تو الٹا اس قبضہ گروپ کی طرف داری میں علاقہ کے معززین اور شرفاء بلکہ ممبران اسمبلی تک اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔کیونکہ نام اسلام کا استعمال ہورہا ہوتا ہے۔اسلام کے نام پر جو مرضی کرو نعوذ باللہ کارِ خیر شمار ہوگا اور بقول شخصے کیا داعش نامی تنظیم کے خودساختہ خلیفہ بغدادی کو عربی نہیں آتی تھی جو بے شرمی سے عورتوں کی منڈیاں لگاتے لگاتے مبینہ طور پر دنیا سے رخصت ہوگئے۔میں تو حیران ہوں کہ محترم جاوید عباسی صاحب کو ان عربی "خلیفہ" کی بیعت کرنا گوارا کیوں نہ ہوئی۔

ایسے معاملے میں پھر یہی طبقہ کہہ دیتا ہے کہ عربی تو ابوجہل اور ابولہب کو بھی خوب آتی تھی۔اور راقم اسی نکتہ کے حوالہ سے کہے گا کہ عربی زبان میں ماہر ہونا اور قرآن کریم کو براہ

راست عربی میں پڑھ سکنے کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں۔ابوجہل تو عربی علوم کا ماہر تھا اور ابوالحکم کہلاتا تھا۔قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا لیکن اس کا انکار کرنے پر یہ بدقسمت عرب عالم رہتی دنیا تک "ابوجہل" قرار پایا اور نہایت حسرت سے مرا۔

سڈنی میں میری ملاقات ایک مصری پادری اور اس کے تبلیغی ٹولے سے ہوئی جو اپنے ساتھ قرآن کریم لئے پھرتے تھے اور مسلمانوں کو براہ راست قرانی آیات کے حوالے دے دے کر مسیحی مذہب کی سچائی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

قرآن پاک کی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہو کر نتیجتاً اچھا مسلمان اور اچھا شہری بننے کے لئے پہلے عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی ضرورت کی دلیل کا رد کرتے ہوئے پروفیسر ہود بھائی مذکورہ کالم میں لکھتے ہیں کہ:

"بل میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سکول میں پڑھائی گئی عربی سے طلباء کو قرآن کریم بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی اور وہ بہتر مسلمان بن سکیں گے۔کیا اس بل کے پیش کاروں کو معلوم نہیں کہ دسویں صدی میں فارسی میں کئے گئے پہلے ترجمہ قرآن سے لے کر اب تک دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔یہ اس لئے بہت ضروری تھا کہ قرآن کریم کی عربی کو غیر عرب لوگوں کے لئے براہ راست سمجھنا بیحد مشکل ہے۔

بے شمار علماء کرام عظام نے بڑی محنت شاقہ سے عمریں صرف کر کے قرآن کریم کے تراجم کئے کیونکہ انہیں علم ہے کہ وقت کے ساتھ الفاظ کے معانی میں تبدیلی آجاتی ہے۔اور ہم دیکھتے ہیں کہ اسی سبب بسا اوقات دو مختلف ترجموں میں بھی فرق ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی تشریح بھی مختلف ہو جاتی ہے۔اس کے باوجود ایک پاکستانی طالبعلم کے لئے اردو ترجمہ کے ذریعہ قرآن کریم کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھنا بہت آسان ہوتا ہے۔

ایسے میں ہمارے پارلیمارنی امور کیوزیر کا یہ بیان کہ " کہ اگر تمہیں عربی نہیں آتی تو تم اللہ تعالیٰ کا پیغام بھی نہیں سمجھ سکتے "اس کرہ ارض پہ بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت کو حقیر بنا دیتا ہے۔انڈونیشیا،ملائشیا،بنگلہ دیش،ایران،یا ترکی کی تمام آبادی کو آپ عربی سمجھنے یا بولنے کا پابند نہیں کر سکتے۔اور پھر ان تمام مرحوم مسلمانوں کے بارہ میں آپ کیا کہیں گے جنہوں نے ساری عمر اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگیاں گزارنے کی بھرپور سعی کی حالانکہ نہ انہوں نے کبھی عربی سیکھی نہ سیکھنے کی کوشش کی؟۔

اگر عربی زبان (خواہ کسی بھی قسم کی ہو) ایک بہتر انسان کی یا ملی اتحاد کی تشکیل کر سکتی تو پھر ان تمام عرب ریاستوں کے بارہ میں کیا کہیں گے جو یکے بعد دیگرے اسرائیل کو تسلیم کیئے جا رہی ہیں،باوجود اس کے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسرائیل مجودہ بچے کھچے فلسطین کو بھی نگلنے کا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔کیا عربی زبان نے ان عرب ریاستوں کو اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کا قطب مینار بنایا ہے؟۔کیا ہمارے یہ سینیٹر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آج کے یہ عرب فرشتہ سیرت بزرگ لوگ ہیں؟"۔

مزید لکھتے ہیں:

''کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ مستقبل میں ہمارے عربی پڑھے ہوئے وکلاء غنڈوں کی طرح کسی ہسپتال کی ایمرجنسی پر ہلہ بول کر مریضوں پر حملے نہیں کریں گے،عمارتوں کی توڑ پھوڑ نہیں کریں گے؟''

کیا ہمارے عربی دان طلباء نقل کو اپنا حق سمجھنا چھوڑ دیں گے؟۔ہمارے سیاسی رہنما چوری کرنا چھوڑ دیں گے اور ہمارے جرنیل بیرون ملک خفیہ بزنس فرینچائز چلانا بھی چھوڑ دیں گے؟۔

خود عربوں کی نئی نسلیں تو اپنی تمام توانائیاں اور توجہ انگلش زبان پر دسترس حاصل کرنے پر مرکوز کر رہی ہیں،عرب ممالک امریکی یونورسٹیوں کو بھاری رقوم دے کر ان کے لوکل کیمپس اپنے ہاں کھلوا رہیں اور ان کی یہ علمی سرمایہ کاری پھل بھی لا رہی ہے۔چنانچہ ایک خلائی جہاز جو یو اے ای کی جانب سے چھوڑا گیا تھا وہ مریخ کے مدار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔اس کامیابی کو مسلم عرب کارنامہ گردانا جا رہا ہے۔یہ کیسے ممکن ہوا؟،انگریزی زبان میں جدید سائینس کو پڑھنے اور اپنانے سے۔

ہم اپنے بچوں کو جبراً عربی پڑھا کر (تا کہ وہ عرب ممالک میں جا کر ملازمتیں کر سکیں) انہیں یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ''تم (لسانی اور) ثقافتی طور پر یتیم ہو۔جو بھی ہے اصل میں تمہارے مالدار انکل کا ہے۔تمہیں ان کے گھر سے ہی روزگار میسر آ سکتا ہے''۔

(1607107/ news/ www.dawn.com//:https)

محترم ہود بھائی نے یو اے ای کی انگریزی اور سائینس میں شغف کا تو ذکر کر دیا لیکن جاوید عباسی صاحب کو یہ یاد کروانا بھول گئے کہ اس عرب مسلمان ملک میں حال ہی میں نہ صرف بے نکاح بلکہ ہم جنس پرست جوڑوں کو بھی قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے ادھر سعودی عرب نے بھی اپنے تعلیمی نصاب میں سے ہم جنسیت کی اسلامی سزا کا ذکر حذف کر دیا ہے۔

جاوید عباسی صاحب خدارا پاکستانی بچوں کو احمقوں کی یا عربوں کی اس جنت کے خواب دکھانا بند کر دیں اور تقویٰ سے کام لیں۔

اگر آپ کی مسلم لیگ نون عمران خان کو یکسوئی سے کام کرنے کا موقع دے تو چند ہفتوں کے اندر اندر ہمارے نوجوانوں کو ایک کروڑ نوکریاں تو عربی سیکھے بغیر یہیں پاکستان میں مل جائیں گی۔یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیں۔وہ منافق تو نہیں جو تسبیح رولتے ہوئے قوم سے جھوٹا وعدہ کریں!۔

اف خدایا، ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا۔۔۔؟

”علامہ اقبال اور تصویرِ عیش امیر“

جناب آغا شورش کاشمیری اپنے ایک مضمون ”عبدالمجید سالک“ میں لکھتے ہیں کہ:۔

اس بازار میں "میری ایک رسوا سی کتاب ہے، یہ فحاشی کی تاریخ ہے۔اس کا خیال مجھے ایک فیچر سے پیدا ہوا جو میں نے چٹان کے سالگرہ نمبر میں لکھا تھا۔سالک صاحب نے زور دیا کہ میں اس فیچر کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے کتاب لکھ دوں۔اس بازار میں پھرتے پھراتے مجھے ایک ایسے گھرانے میں جانا پڑا جس کی مالکن کبھی جوان تھی۔ایک زمانہ میں علامہ اقبال اس کی آواز سے خوش ہوتے تھے،اس کا نام امیر تھا۔امیر کا زمانہ لد چکا تھا۔اس وقت ستر پچھتّر برس کے لپیٹے میں تھی، چہرے پر جھریوں کی چنٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ لٹے ہوئے عیش کی تصویر ہے۔میں نے ادھر ادھر کے ٹانکے ملا کر سوال کیا کہ وہ مجھے اقبال کے بارے میں کیا بتا سکتی ہے؟لیکن طرح دے گئی۔میں نے اصرار کیا،اس نے رسید تک نہ دی۔میں نے پچکارنا چاہا وہ ٹال گئی۔ہزار جتن کیے لیکن کسی طرح بھی ڈھب پر نہ آئی۔جب میں نے سارے داؤ استعمال کر لیے تو خدا کا واسطہ ڈالا۔لیکن اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔جب میں نے عذر و انکار کی وجہ پوچھی تو اس نے حقے کی نے چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”ہم لوگ شرفاء کے رازوں کی نمائش یا بیوپار نہیں کیا کرتے۔آپ خواہ مخواہ ہوا کو مٹھی میں تھامنا چاہتے ہیں۔“

واپس آ کر میں نے سالک صاحب سے اس کا ذکر کیا تو وہ امیر کے ذکر سے ششدر رہ گئے۔پوچھا،ابھی تک زندہ ہے؟عرض کیا جی ہاں۔پھر ایک واقعہ سنایا کہ مولانا گرامی لاہور تشریف لائے تو مجھے دفتر سے اٹھا کر علامہ اقبال کے ہاں لے گئے علامہ ان دنوں بازار حکیماں میں رہتے تھے۔علی بخش سے پتہ چلا کہ علامہ بیمار ہیں،دھسہ لے کر لیٹے ہوئے تھے،ڈاڑھی بڑھی ہوئی چہرہ اترا ہوا،آنکھیں دھنسی ہوئیں۔گرامی کو دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئے۔پوچھا خیریت ہے؟معلوم ہوا کہ امیر کی ماں نے میل ملاقات بند کر دی ہے۔پچھلے تین روز سے ملاقات نہیں ہوئی۔گرامی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔پنجابی میں کہا۔

”اوچھڈ یار توں وی غضب کرنا ایں،اوتینوں اپنی ہنڈی کس طرح دے دیں“۔

(چھوڑو یار تم بھی غضب کرتے ہو،بھلا وہ تمھیں اپنی ہنڈی کیوں کر دے دے)۔علامہ بے حد غمگین تھے۔گرامی نے علی بخش سے کہا،گاڑی تیار کرو۔مجھے ساتھ لیا اور اس بازار کو روانہ ہو گئے۔امیر کے مکان پر پہنچے،دستک دی۔امیر کی ماں نے گرامی کو دیکھا تو خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔آپ اور یہاں۔۔۔؟اھلاً و سھلاً۔۔گرامی نے امیر کی ماں سے گلہ کیا کہ تو نے ہمارے شاعر کو ختم کرنے کی ٹھانی ہے۔اس نے کہا مولانا شاعروں کے پاس کیا ہے،چار قافیے اور دو ردیفیں۔کیا میں اپنی لڑکی ہاتھ سے دے کر فاقے مر جاؤں؟آپ کا شاعر تو ہمارے ہاں نقب لگانے آتا ہے،میری لڑکی چلی گئی تو کون ذمہ دار ہو گا؟

گرامی نے اجلی ڈاڑھی کا واسطہ دیا،اور دو گھنٹہ کی شخصی ضمانت دے کر امیر کو ساتھ لے آئے۔میں علی بخش کے ساتھ،گرامی،امیر کے ساتھ گھوڑا ڈرکی میں چلا آ رہا تھا۔علامہ کے ہاں پہنچے تو گرامی نے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

اُٹھو جی،آ گئی امیر۔

سچ مچ،علامہ نے حیرت سے پوچھا۔

امیر سامنے کھڑی تھی،دفعتاً ان کا چہرہ جگمگا اٹھا۔سالک صاحب نے یہ واقعہ سناتے ہوئے کہا،زندگی میں اس قسم کی آرزوئیں ناگزیر ہوتی ہیں۔انسان کو ان راستوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔فرمایا جس زمانہ میں اقبال انارکلی میں رہتے تھے،ان دنوں لاہوری دروازہ اور پرانی انارکلی میں بھی کسبیوں کے مکان تھے۔۔

مشرقی اُفق

”پاکستان کے تعلیمی نصاب پر صلیبی حملے“

میر افسر امان۔ اسلام آباد

اب تو مغرب کے تعلیمی نظام کی خرابیاں پر خود مغرب کے دانشور اعتراض اُٹھاتے رہتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں کے سیکولر، لبرل و فیمنسٹ نام نہاد ماہرین وہی تجربات دہرا کر پاکستان کے تعلیمی نصاب میں داخل کر کے اپنی قوم کو عذاب میں مبتلا کر رہے ہیں۔ ہمارے مغرب زدہ ماہرین تعلیم صرف مغرب کو خوش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر ان حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک جیسے حالات کبھی بھی نہیں رہتے۔ ان کی ملک، مذہب، ملت، معاشرت دشمنی کو آنے والی نسلیں کبھی بھی معاف نہیں کریں گی؟ ہمارے یہ نام نہاد ماہرین کیوں نہیں سمجھتے یورپ اور امریکا کے دانشور خود اپنی تعلیم نظام سے نالاں ہے۔ ہمارے یہ حضرات یہ نہیں سمجھ رہے کہ مغربی استعماری طاقتوں نے مسلمانوں میں خوئے غلامی پیدا کرنے کے لیے ان کی تہذیب، ثقافت، زبان اور نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل درآمد بھی کیا۔ صدیوں سے قائم مساجد، مدارس، اور خانقاہوں کی سرکاری امداد بند کر کے انھیں مفلوج کر دیا گیا۔ جن جائیدادوں سے ان مدارس کے معاونت ہوتی تھی انھیں بحق انگلش سرکار ضبط کر لیا گیا۔ کچھ سخت جان مدارس ہی بچ سکے۔ اب تو انگریز چلے گئے مگر پاکستان میں بگڑے ہوئے انگریز چھوڑ گئے ہیں۔ جو ان کا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ نے اپنے سیکولر روایات کے مطابق تعلیم نصاب ترتیب دینے کے بجائے وہی لارڈ میکالے کا نظام تعلیم رائج رکھا۔ جس میں مغرب کے غلام ہی بنتے ہیں۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد اسلامی کے شیدائی بننے کے بجائے سیکولرزم کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ ہمیں ایسا نصاب تعلیم چاہیے تھا جس میں سے نکل کر وہ محبّ وطن اسلامی ذہن کے لوگ بنتے۔ قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد مسلم لیگ کے کھوٹے سکے جو لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے نکلے ہوئے تھے، نے کہنا شروع کر دیا تھا چودہ سو سالہ نظام اس جدید دنیا میں نہیں چل سکتا۔ ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کے ساتھ مغربی تہذیب کو بھی اپنایا جائے۔ ایلیٹ کلاس کے بچوں کی تعلیم عیسائی مشنری اسکولوں سے ہوتی ہے اس لیے وہ مغربی نظام تعلیم اے لیول او لیول کے گرویدہ ہیں۔ جیسے ہماری سابق مرحومہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو صاحبہ نے ایک دفعہ کہا تھا آذان بج رہا ہے۔ سیکولر حکمرانوں نے مغربی ایجنڈے پر چلنے والی بے شمار این جی اوز کو پاکستان میں کھل کر کام کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ یہ عورتوں کے نام نہاد حقوق اور اقلیتوں کے حقوق کے نام پر ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا کر رہی ہیں۔ پاکستان کا الیکٹرونک میڈیا نے امریکا ڈالر لے کر اسلامی معاشرے کو تباہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے۔ اسکے ساتھ پاکستان کے تعلیمی نصاب میں ایک این جی اورز ”ایس ڈی پی آئی“ نے ۲۰۰۴ء میں ایک ریسرچ پیپر پیش کیا۔ ہمارے کند ذہن حکمرانوں نے اسے من وعن صحیح تسلیم کر لیا۔ اس ریسرچ پیپر میں کہا گیا کہ ”پہلے سے موجودہ تعلیمی نصاب ایک ترقی پسند، اعتدال پسند اور جمہوری پاکستان کی ترقی کے لیے صحیح نہیں۔ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی معاونت میں صرف دینی مدارس ہی نہیں بلکہ یہ ٹیکسٹ بورڈ وزارت تعلیم کے نصابی ونگ بھی شامل ہیں۔ مثل مدینہ مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلامی کہنے پر بھی تنقید کی گئی۔ مفروضہ یہ گھڑا کیا کہ اس سے غیر مسلم پاکستانی عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں۔ نصاب میں قرآن مجید کی آیات کیوں شامل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک کے دفاع کو شہری کا اولین فرض کیوں کہا جاتا ہے۔ اسلامی ہیروز کے نام نصاب میں کیوں شامل ہیں۔ پاکستان کو جدید ہتھیار حاصل کرنے پر کیوں راغب کیا گیا ہے۔ عورتوں کے نقاب اور معقول اسلامی لباس پہننے پر بھی تنقید کی گئی ہے۔ ہوم اکنامک پر اعتراض کیا گیا ہے“۔ اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے سابق چانسلر منیر الدین چغتائی نے کیا تھا۔ کہ یہ نظریہ پاکستان اور پاکستان کے وجود کے خلاف کھلی حکمَ ہے۔ ہمارے نام نہاد مفکرین حضرات ہمارے نصاب تعلیم سے ہر وہ چیز نکالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جو ہمارے وجود کو جوڑ کر رکھ سکتیں ہیں۔ مقامی این جی اوز بین الاقوامی اداروں، جیسے ورلڈ بنک اور یو ایس ایڈ کی پاکستان کے تعلیمی نصاب کو ان کی منشا کے مطابق بنانے میں ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ اس کمیشن کی ۲۰۱۶ء کی رپورٹ جب مرکز میں سابق وزیر اعظم نواز شریف اور خیبر پختونخواہ میں عمران خان کی حکومتیں تھیں سفارشات میں کہا گیا کہ ”پاکستان کے تعلیمی نصاب میں جنگوں اور جنگی ہیروز کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ محمد بن قاسم سندھ، سلطان محمود غوری کا حملہ فخریہ انداز میں نصابی کتب میں کیوں شامل ہے؟

تہذیب وثقافت کے اظہار کے لیے تو ناچ گانا اور شادی بیاہ کی رسومات کو دکھانے کے بجائے جنگوں کو کیوں پیش کیا جارہا ہے''؟اس رپورٹ کے لیے ایک مقامی این جی او'' پیس اینڈ ایجوکیشن فاؤنڈیشن'' نے تحقیق کر کے سفارشات تیار کیں۔اس این جی او نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ان کی طرف سے پیش کی گئیں سفارشات کی بنیاد پر پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے سرکاری اسکولوں کی نصابی کتب میں تبدیلیاں لائی جاچکی ہیں۔اس رپورٹ میں پاکستان کے اسلامی عقیدے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔اسلام درست مذہب ہے، پر اصرار نہ کیا جائے؟اس فاؤنڈیشن نے حکومتی وزیروں سے مل کر حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ڈکٹیٹر مشرف نے تعلیمی نصاب سے قرآنی آیات کو نکالا۔اب تحریک انصاف کی حکومت میں یہ سلسلہ جاری ہے۔تحریک انصاف حکومت کی کابینہ سے یکساں نصاب تعلیم کی منظوری دی۔۲۰۲۱ء میں تحریک انصاف کی حکومت نے یکساں نصاب تعلیم کو ملک میں نفاذ کا اعلان کیا ہے۔پنجاب میں تمام بورڈ میں میٹرک اور انٹر میڈیٹ کے نصاب میں مطالعہ پاکستان کی جو کتب پڑھائی جارہی ہیں وہ فیمنسٹ ماہرین کی تیار کردہ ہیں۔قومی و پنجاب اسمبلی کے منظور کردہ وومن پروٹیکشن ایکٹ ۲۰۱۰ء جنسی ہراسمنٹ ایکٹ ۲۰۱۰ء کم عمری کی شادی پر پابندی ایکٹ ۲۰۱۵ء اور خواتین تحفظ ایکٹ ۲۰۱۶ء کی تمام تفصیلات کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔یہ قوانین مغرب کی مالی معاونت سے مقامی این جی او نے بنائے ہیں۔جبکہ عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک اور تمام جرائم کا آغاز مغرب میں ہوا۔آج بھی امریکا کے تازے سروے کے مطابق امریکا کی ہر عورت کے ساتھ زندگی میں ایک دفعہ زنا یا اقدام زنا کا واقعہ ضرور پیش آتا ہے۔یہ سارے عورتوں کے حقوق مغرب یورپ اور شمالی امریکا و کینیڈا جہاں کے تمام تعلیمی ادارے فیمنسٹ تحریک کے کنٹرول میں ہیں۔وہاں بھی یہ نظریات یونیورسٹی لیول سے نیچے کا حصہ نہیں۔وہاں یہ نظریات سوشل سائنسز وومن سٹڈیز جینڈر اسٹڈیز کے گریجویٹ وانڈر گریجویٹ لیول کے مضامین میں شامل ہیں۔وہاں کے ماہرین کا اعتراض ہے کہ انڈر گریجویٹ لیول کے سوشل سائنسز کے طالب علموں کو یہ تھیوریز بتا کر ان کا ذہن کیوں خراب کیا جارہا ہے؟

صاحبو! جس کو مغرب اور امریکا کے ماہر تعلیم اپنے بچوں کے لیے عذاب قرار دے رہے وہ ہمارے تعلیمی نصاب میں ڈالے گئے ہیں۔ہم عمران خان صاحب جو علامہ اقبالؒ کے خواب، قائداعظمؒ کے اسلامی وژن کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست قائم کرنے اور پاکستان کو کرپشن فری بنانے کے منشور پر اقتدار میں آئے ہیں سے گزارش کرتے ہیں کہ مغرب کی اس چال کو پاکستان میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ایسا کوئی بھی بین الاقوامی معاہدہ نہ کریں جو اسلام اور قیام پاکستان کے مقاصد کے خلاف ہو۔ورنہ اللہ آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی پاکستان کا اسلامی معاشرہ آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔

''پھول کاغذ کے سجائے ہیں جو گل دانوں میں''
(کلام بشریٰ حفیظ صاحبہ۔کینیڈا)

یہ آنکھ دیکھتی ہے جو رنگ حنائے گل
دست صبا کے لمس سے ہے خندہ ہائے گل

سلگتی دھوپ میں اُڑ جائے گا پھول کا رنگ
تتلیاں ڈھونڈتی رہ جائیں گی قبائے گل

جو دل میں ڈیرے سرابوں نے ڈال رکھے ہیں
اس راہ خار مغیلاں میں نہیں سایۂ گل

پھول کاغذ کے سجائے ہیں جو گل دانوں میں
آتی نہیں پر ان سے وہ عطرے ہوائے گل

شہر سے نکلے تو ہجرت رہی پاؤں کا نصیب
پر نا بھولے در و دیوار نہ جشن بہار گل

شہر کا شہر ہی ہے بن گیا ازر بشریٰ
بھیج ابراھیم کوئی میرے رَبّ لم یزل

نوٹ: کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ہم نئے نئے آئے تھے... !!

(تحریر: امتہ الباری ناصر صاحبہ۔امریکا)

انسان اپنی زندگی میں ہر عمر میں کچھ نہ کچھ نیا سیکھتا ہے بسا اوقات نئی چیز پہلی دفعہ استعمال کرتے وقت علم اور تجربے کی کمی سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں ایسی غلطیاں بعد میں دلچسپ یادیں بن جاتی ہیں۔اس مضمون کا مقصد ایسی یادیں لکھ کر دوسروں کو بھی اپنی دلچسپ باتوں میں شریک کرنے کی دعوت دینا ہے۔ خود اپنے سے شروع کرتی ہوں۔

میرا پہلا سمندر پار کا سفر کراچی سے لندن تک کا تھا۔بہت سی نئی چیزوں سے واسطہ پڑنا تھا جس کے لیئے مجھے مسلسل تیار کیا جا رہا تھا۔کراچی جدید شہر ہے مگر بہت سی نئی ایجادات وہاں ابھی متعارف نہیں ہوئی تھیں صدر کے ایک شاپنگ مال میں برقی سیڑھیاں لگیں تو بہت شہرت ہوئی جو دیکھ کر آتا دنیا کے آٹھویں عجوبے کی طرح بات کرتا۔ایک دن ہم سب مل کر پاکستان کی ترقی کی علامت دیکھنے گئے مسلسل ہدایات دی جا رہی تھیں کہ کیسے پہلا پاؤں رکھنا ہے اور اوپر جا کر جونہی سیڑھیاں برابر ہوں کیسے احتیاط سے قدم رکھنا ہے ہم نے ساری ہدایات پر عمل کیا اور خیریت سے چڑھ کے سلامت اتر بھی گئے تو اتنی خوشی ہوئی کہ نعرہ تکبیر بلند کرتے کرتے رہ گئے اپنی ذہانت پر اعتماد میں اضافہ ہوا۔جدیدیت سے سارا خوف ختم ہو گیا پتہ نہیں لوگ گھبراتے کیوں ہیں سب کچھ آسان ہی ہوتا ہے اس تجربے کے بعد لندن جانا بالکل مشکل نہ رہا۔مگر ذہانت کا امتحان جہاز میں داخل ہوتے ہی شروع ہو گیا ہر چیز نئی لگ رہی تھی یہ ظاہر نہیں ہونے دینا تھا میں کیا کچھ نہیں جانتی؟ بظاہر نظر بچا کے دائیں بائیں دیکھ کے بہت کچھ سیکھا واش روم کا دروازہ کیسے کھولنا ہے اگلی نشست کی پشت پہ نصب ٹی وی کیسے آن کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ادھر ادھر دیکھا تو کئی لوگ اسی قسم کی کشمکش میں مبتلا نظر آئے سب پہلی پہلی دفعہ سفر کرنے والے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی رہے تھے۔لندن میں بہت سی چیزیں نئی تھیں مگر سب سے زیادہ مشکل نلکے کھولنے بند کرنے میں پڑی کوئی نلکا دائیں بائیں گھمانے سے کوئی اوپر نیچے کرنے سے کوئی بٹن سا دبا کر کھلتا تھا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اپنا چھوٹا سا دماغ ہر وقت استعمال کرنا پڑتا تھا۔اسی طرح دروازے کھولنے کا طریق بھی جدا جدا تھا ایک دفعہ تو واش روم میں بند ہوتے ہوتے بچی قسمت نے ساتھ دیا اور ہاتھ کچھ ایسا گھوما کہ دروازہ کھل گیا۔اس طرح کی کئی حماقتیں ہوئیں اب سب کچھ تو نہیں بتاؤں گی کچھ دوسروں کے تجربات کا ذکر ہو جائے ایک سہیلی نے بتایا کہ اس نے پبلک ریسٹ ایریا میں ہاتھ دھوئے پھر گرم ہوا کے نلکے کے آگے سکھائے مگر نلکا بند کرنا نہیں آیا تو بہت دن یہ غم رہا کی ابھی تک وہاں سے گرم ہوا نکل رہی ہو گی۔خودکار کیمرے نے میری تصویر بھی لے لی ہو گی کوئی مشکل نہ آ جائے۔ایک صاحب نے اسٹور میں داخل ہوتے وقت دیکھا کہ داخلی دروازے پر ایک گھومنے والی چرخی لگی ہے جس میں ایک طرف سے داخل ہوتے ہیں اور دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں یہ نیا تو تھا مشکل نہیں تھا وہ بھی داخل ہو گئے اور چرخی میں بہت دیر اس انتظار میں گھومتے رہے کہ وہ رکے تو نکلیں۔پھر جب کوئی اور آیا اور نکل گیا تو سمجھ آیا کہ چرخی رکے گی نہیں خود ہی نکلنا ہو گا۔شکر ہے کوئی آ گیا نہیں تو پتہ نہیں کب تک بچارے کو کولھو کے بیل کی طرح گھومنا پڑتا۔ایک خاتون نے بتایا کہ نئے ملک کے سکوں سے واقف ہونے میں بڑی دیر لگی ایک دن سکول سے آ کر بچے نے ڈائم کا مطلب پوچھا تو پہلے تو وہ سمجھی کہ ٹائم کو ڈائم کہہ رہا ہے مگر پھر جب بچے سے چھپ کر گوگل کیا تو سمجھ آئی کہ ڈائم کیا ہوتا ہے۔لندن کی ایک خاتون نے یہ کمال کیا کہ سڑک کے کنارے رکھے ہوئے اخبار اٹھانے لگی کہ گھر جا کر الماریوں میں بچھاؤں گی۔میاں بیچ میں آ گئے اور ''پیار'' سے سمجھایا کہ یہاں اسی طرح اخبار بیچے جاتے ہیں اٹھانا نہیں،لوگ پیسے رکھتے ہیں اخبار لے

جاتے ہیں-ایک خاتون بس میں بیٹھ کر انتظار میں رہی کہ ٹکٹ دینے والا آئے گا-ایک سہیلی کو ڈاکٹر کے کلنک میں اپنی باری کے نمبر کی پرچی مشین سے کھینچنے سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا بہت دیر کے بعد سمجھ آئی کہ اس کی باری کیوں نہیں آرہی-ایک بچی شادی کے بعد پہلی دفعہ ملک سے باہر آئی تھی جب اپنے ٹاؤن میں داخل ہوئی تو میاں نے دکھایا کہ دیکھو اس بورڈ سے جہاں لکھا ہے پاپولیشن پندرہ ہزار ہمارا ٹاؤن شروع ہوتا ہے-نئی دلہن بہت عرصہ انتظار کرتی رہی کہ وہ پاپولیشن کے نمبر میں ایک عدد کا اضافہ کریں گے-

ایک صاحب نئے نئے جرمنی آئے تھے، اپنے میزبان کے ساتھ بس پر سوار ہوئے، میزبان نے نئے آنے والے صاحب سے کہا کہ اگلے بس اسٹاپ پر آپ اتر کر گھر چلے جاؤ مجھے کام ہے اس لیے ابھی مجھے مزید سفر کرنا ہے، بس سے اتر کر یہ خط بس اسٹاپ پر موجود لیٹر بکس میں ڈال دینا، جواب ملا اوکے۔چلتی بس میں سے میزبان نے دیکھا کہ اس نے خط پیلے لیٹر بکس کی بجائے سبز کوڑے دان میں ڈال دیا تھا۔

دیکھیئے یہ موضوع کتنا دلچسپ ہے یقیناً آپ کے ساتھ بھی بہت کچھ پیش آیا ہوگا دوسروں کو بھی اپنے تجربات میں شامل کیجئے لکھنا شروع کیجیے۔

☆☆☆

”پیسہ سب کچھ ہے شرافت نہیں دیکھی جاتی“

(کلام: امتہ الباری ناصر صاحبہ)

مجھ سے اب ملک کی حالت نہیں دیکھی جاتی
یہ رذالت کی روایت نہیں دیکھی جاتی

منہ چھپائے ہوئے پھرتے ہیں بھلے لوگ یہاں
پیسہ سب کچھ ہے شرافت نہیں دیکھی جاتی

مال کچھ سامنے رکھتے ہیں تو دیتے کچھ ہیں
اب کہیں ستھری تجارت نہیں دیکھی جاتی

نوکری ملتی ہے اُس کو جو سفارش لائے
تجربہ اور ذہانت نہیں دیکھی جاتی

سب اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ کیسے دُکھ دیں
اگلے وقتوں کی وہ چاہت نہیں دیکھی جاتی

بھینس اُس شخص کی ہوتی ہے جو لاٹھی رکھے
دھونس چلتی ہے عدالت نہیں دیکھی جاتی

در بدر پھرتے ہیں وہ لوگ جو حق رکھتے ہیں
بے اصولی کی سیاست نہیں دیکھی جاتی

دودھ کو بچہ ترستا ہے دوا کو بیمار
مارے غربت کے یہ حالت نہیں دیکھی جاتی

اب کہیں جائے اماں ہے نہ تحفظ باقی
یہ لُٹیروں کی شرارت نہیں دیکھی جاتی

نان مہنگی ہے مگر جان کی قیمت کم ہے
یہ گرانی کی نہایت نہیں دیکھی جاتی

تازہ اخبار کے آتے ہی جگر کٹتا ہے
روز اک طُرفہ قیامت نہیں دیکھی جاتی

پھر وہی نقشِ قدم ہیں وہی احمق رہرو
یہ قیامت پہ قیامت نہیں دیکھی جاتی

برسر تبصرہ عنواں ہوں جو زندہ قومیں
ایسی قوموں کی حکایت نہیں دیکھی جاتی

''بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل''

(تحریر: پروفیسر نصیر احمد حبیب۔لندن)

انیسویں صدی میں دجّالی فتنوں کا طوفان اس قدر تند و تیز تھا کہ دامان خیال یار چھوٹا جا رہا تھا خصوصاً 1857ء کے ہنگامے کے بعد سرسید لکھتے ہیں کہ اس غم نے مجھے بوڑھا کر دیا اور سوچا کہ یہاں سے ہجرت کر جاؤں۔

مسلمانوں کے لیے کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی تھی۔مغرب کے سیاسی اور فکری غلبہ کا یہ عالم تھا کہ بقول غالبؔ

کعبہ میرے پیچھے ہے اور کلیسا میرے آگے

سرسید کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کے معاملات میں ہمارے مطاع ہیں لیکن دنیا کے معاملات میں نہیں۔اور حیرت یہ ہے کہ علمائے کرام کے سامنے بھی اس جگر سوز اور جاں گداز صورت حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ نہیں تھا۔

چنانچہ مفتی محمود صاحب نقش حیات کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

''عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ ہر حالت میں برا اور حرام ہے حالانکہ جھوٹ بعض اوقات فرض اور واجب ہوتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے 1857ء میں سب کچھ کیا مگر جب انگریز حکام نے پوچھا تو سب انکار کر کے چلے آئے۔'' (نقش حیات جلد دوم صفحہ 205)

آج سے چودہ سو سال قبل دانائے سبل ختم الرسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ صدی جس میں مَیں ہوں بڑی خیر و برکت کی بھری ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسری صدی بھی خیر و برکت والی ہوگی اور پھر تیسری صدی پر بھی اس کا اثر پڑے گا پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَشُوا الْکَذِبُ۔حالانکہ قرآن پاک موجود تھا۔تعامل اور حدیث ان میں تھی لیکن کوئی مزّ کی نہیں رہا تھا لہٰذا زہر قوم میں سرایت کر گیا۔آج بھی جس کا رونا لوگ رو رہے ہیں۔وہ کسی نے خوب کہا ہے کہ

جو باتیں پی گیا تھا میں وہ باتیں کھا گئیں مجھے

اسی کا ہی شاخسانہ ہے کہ مسلم دنیا میں کرپشن کا مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ ہے۔علماء کا یہ حال تھا اور مسلمانوں میں جو طبقہ مغربی تعلیم سے آراستہ تھا اس کے بھی آئیڈیل بدل گئے تھے۔وہ بھی آہستہ آہستہ آستانِ یار سے اٹھ رہا تھا۔چنانچہ پاکستان کے ایک سابق وزیر اعظم اپنی بیٹی کو لکھتے ہیں:

You have all the books you need. Read about Napoleon Bonaparte. The most complete man of modern History''

(Daughter of the East page 37)

یہ وہ اثر تھا جو کہ سرسید احمد خان کے خیالات کے نتیجے میں مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے خیالات پر پڑا۔

''جو زہر پی چکا ہوں تمہی نے مجھے دیا''

نپولین تو دنیا کے معاملات میں بھی میرے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا بھی نہیں۔جب واٹرلو کے میدان میں اس کی فوجیں بھاگ رہی تھیں اور نپولین یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے آپ کو جرمنوں کے حوالے کروں یا انگریزوں کے۔اور اسی طرح کا معاملہ جب غزوہ حنین میں پیش آیا تیروں کی بوچھاڑ میں مکے کے نومسلم بھاگ کھڑے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم رہے اور فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ

اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

اس وحشت ناک ماحول میں جب آنحضرت ﷺ کی صدا بلند ہوئی تو آپؐ کے جانثار صحابہ آپؐ کے روحانی حسن کی کشش سے اپنی بھاگتی ہوئی اونٹنیوں کی گردنیں کاٹتے ہوئے واپس پلٹے اور دشمن کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اگر خواہی دلیل عاشقش باش
محمدؐ ہست برہان محمدؐ

چنانچہ یہ وہ عشق رسولؐ تھا جسے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے عاشق صادق تشریف لائے۔اور اس تناظر میں جب علماء جھوٹ بول کر چلے آرہے تھے اور مغربی تعلیم سے متاثر طبقہ مغرب کی دریوزہ گری کر رہا تھا آپ نے آوازہ حق بلند کیا کہ:۔

''تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اُس کے غیر کو اُس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔''

(کشتی نوح۔صفحہ ۱۳۔۱۴)

اسلامی ملبوسات کی دکان اور افکار مولانا طارق جمیل!

ایک خبر کے مطابق مولانا طارق جمیل نے ملبوسات کی دکان کھول لی ہے اور برانڈ کا نام ایم ٹی جے یعنی مولانا طارق جمیل رکھا ہے۔اب مولانا وعظ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی ملبوسات،اسلامی خوشبو، اسلامی جوتے اور اسلامی ٹوپیوں سمیت اسلامی بٹوے بھی بیچیں گے۔تجارت ایک معزز پیشہ ہے دیگر مولانا،مولوی،علامہ کہلانے والوں کو بھی چاہیے کہ مولانا طارق جمیل کی طرح تجارت جیسی مبارک سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کر کے نا صرف ثواب دارین حاصل کریں بلکہ دنیاوی فوائد بھی سمیٹیں۔شنید ہے کہ مولانا طارق جمیل کے دیگر کاروبار بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو حج کروانے سے متعلق کاروبار بھی ہے۔ان کی حج اور عمرہ کراونے کی ایجنسی بھی اسلام کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا کو مزید سے مزید خوشحالی عطا فرما رہی ہے۔

مولانا طارق جمیل صرف دینی علوم ہی نہیں بانٹتے بلکہ ان کے مشورے ریاست کے مالی معاملات کو بہتر کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں،ان کے اس دہرے ٹیلنٹ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے انہیں پرائیڈ آف پرفارمنس یعنی تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا گیا ہے۔مولانا طارق جمیل ہی کے مشورے پر احساس پروگرام کے لیے بذریعہ ٹیلی تھون،۵۵ کروڑ روپے اکٹھے کیے گئے تھے۔اختتامی تقریب سے وزیراعظم صاحب کے روحانی مشیر سمجھے جانے والے مولانا طارق جمیل نے نہایت جذباتی دعا کروائی اور ساری قوم کو جھوٹی،بددیانت اور بے حیا قرار دینے کے ساتھ عمران خان صاحب کو سچائی اور دیانتداری کا سرٹیفکیٹ بھی عطا کر دیا۔مولانا صاحب زندہ دل ہیں بعد میں انہوں نے فساد سے بچنے کے لیے بے چون وچرا معافی مانگ کر نا کردہ گناہ کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔

مولانا طارق جمیل کی روحانی سوچ کے مطابق کورونا وبا کے پاکستان میں پھیلنے کی وجہ بے حیائی ہے۔صد افسوس! کہ مولانا خود اس وبا کا شکار بن گئے۔جو یہ کہے کہ مولانا بھی کیا بے حیا ہیں وہ گناہ کا مرتکب ہو کر حوروں سے محروم اور جہنم کا ایندھن بن سکتا ہے۔مولانا نے حال ہی میں ایک ویڈیو خطاب میں فرمایا ہے کہ

''کورونا وبا سے بچنے کے لئے جتنی احتیاط بھی کی جائے کم ہے۔حکومتی احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہوا جائے۔دینی،سیاسی اور سماجی اجتماعات سے اجتناب اور باجماعت نماز کی بجائے گھروں میں نماز پڑھی جائے،اور مصافحہ ومعانقہ سے بھی اجتناب کیا جائے۔کیونکہ اس سے وبا مزید پھیلنے کا خدشہ ہے۔''

''وہ میرا سگا بھائی ہے''

(کہانی نگار: تنویر صادق)

پٹرول ڈلوانے کے بعد میں گاڑی سیدھا پنکچر شاپ پر لے آیا۔ ''ہوائیں حیک کر دو'' کا میرا نعرہ سن کر شاپ کے مالک نے کام کرنے والے لڑکوں کی طرف دیکھا۔ سارے مصروف تھے۔ وہ اٹھا اور اس نے میری گاڑی کی ہوا خود حیک کرنی شروع کر دی۔ چاروں پہیے حیک کرنے کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بیس روپے نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ پیسے پکڑنے کی بجائے تیزی سے پیچھے ہٹا اور نعرہ لگایا، اوئے تم۔ میں نے مڑ کر دیکھا، پنکچر شاپ کا مالک میرا بچپن کا دوست اور ہمسایہ شبیر تھا۔ میں باہر نکلا، اسے گلے ملا، پھر اس نے پہلے میری گاڑی سائڈ پر لگوائی۔ ایک بنچ اٹھایا اور کہنے لگا۔ بڑے دنوں سے مجھے کسی دوست کی تلاش تھی جس سے بہت سے باتیں کروں، کچھ دل کا غبار نکالوں، اچھا ہوا تم مل گئے، ورنہ مجھے دل پر اتنا بوجھ لگتا تھا کہ زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ تم نے اپنا گھر اور اپنا فون نمبر بھی بدل لیا ہے اور مجھے نئے گھر کا پتہ نہیں تھا، ورنہ میں تمھارے پاس پہنچ جاتا۔ پٹرول پمپ کی ایک سائیڈ پر قدرے پرسکون جگہ اس نے بنچ رکھا اور ایک لمبا سانس لے کر خاموشی سے بیٹھ کر مجھے گھورنے لگا۔ میں نے سوال کیا کہ بھائی باہر سے کب آئے، اور یہ پنکچر لگانے کا کام کب اور کیوں شروع کیا۔

میرے بہت سے سوالوں کے جواب میں وہ پہلے ہنسا اور پھر مسلسل مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی ہنسی کی آواز یوں تھی جیسے کوئی شدید درد سے کراہ رہا ہو۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ عجیب مسکراہٹ تھی۔ ہونٹوں ہنستے ہوئے، چہرے پر بے پناہ کرب اور آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو۔ کہنے لگا، بہت سی باتیں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ مگر پہلے تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ ''مجھے پاکستان واپس آئے سات آٹھ ماہ ہو چکے۔ میں تمہاری طرح پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو گھر کے حالات بہتر کرنے کے لئے میں ساتویں جماعت میں پڑھائی چھوڑ کر دیار غیر چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر ایک ہی کام سیکھا اور وہ ہے پنکچر لگانا۔ ساری عمر یہی کام کیا ہے۔ واپس آیا تو اس یقین کے ساتھ تھا کہ اب آرام کروں گا مگر مجبوری، کسی طرح اپنی بھوک تو مٹانی ہے سو یہاں آ کر بھی یہی کام شروع کر دیا ہے''۔ مگر تم نے تو پلازہ بنایا تھا۔ اور کچھ اور بھی جائداد تھی۔ سب بتاتا ہوں آرام سے سنو۔ اس نے جواب دیا۔ یوں لگتا تھا کہ کچھ کہنے سے پہلے وہ خود کو سنبھال رہا ہے۔

ماضی کی بہت سی یادیں شبیر سے ملاقات کے بعد ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ سکول سے چھٹی ہوتے ہی ہم چار پانچ لڑکے اکٹھے گھر کو روانہ ہوتے تھے۔ راستے میں ایک مزار تھا۔ مزار کے احاطے میں ایک گوندی کا درخت تھا۔ اس درخت پر گوندی کا چھوٹا سا پیلے رنگ کا پھل لگا ہوتا۔ ہاتھوں کو چپکتا ہوا اس کا رس بڑا مزیدار لگتا۔ شبیر میرا کلاس فیلو اور محلے دار تھا۔ ہم ہمیشہ گھر اکٹھے آتے تھے۔ اسے درخت پر بہت تیزی سے چڑھنے کا طریقہ آتا تھا۔ وہ درخت پر چڑھ کر بڑے مزے سے اتنی گوندی اتار لاتا کہ ہم سب وہ گوندی کھاتے گھر تک پہنچ جاتے۔ آج شبیر سے ملنے کے بعد مجھے گوندی کا وہ پھل یاد آ رہا تھا جو آج معدوم ہو چکا۔

شبیر کلاس کے محنتی اور ہونہار طلبا میں شمار ہوتا تھا۔ ہر معاملے میں وہ کلاس میں سب سے آگے نظر آتا۔ شبیر کا باپ ایک ڈرائیور تھا۔ کسی کی ملکیت ٹیکسی وہ سارا دن چلاتا۔ سات آٹھ گھنٹوں میں بڑی مشکل سے ٹیکسی کے مالک کو دینے والی رقم پوری ہوتی۔ اس وقت تک اس کا بوڑھا باپ تھک چکا ہوتا مگر اپنے گھر کے اخراجات کے لئے اسے مزید دو تین گھنٹے ٹیکسی چلانا پڑتی۔ شبیر کا بڑا بھائی جو اس سے چار سال بڑا تھا، نہ تو پوری طرح پڑھنے کو تیار تھا اور نہ ہی کوئی کام کرنے کو۔ اسے آوارہ گردی سے فرصت ہی نہ تھی۔ وہ کسی صورت باپ کا ہاتھ بٹانے کو بھی تیار نہ تھا۔ شبیر کو گھر کا پورا احساس تھا اور اس کی کوشش تھی کہ جلدی جلدی پڑھ کر اپنے باپ کو اس مشقت سے نجات دلا دے۔

ہم ساتویں جماعت میں تھے۔ شبیر کے باپ کا ایک پرانا دوست دبئ سے اپنے گھر پاکستان آیا ہوا تھا۔ شبیر کے باپ کے حالات دیکھ کر اس نے اس کو پیشکش کی کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کو اس کے ساتھ دبئ بھیج دے۔ وہاں تھوڑی سی محنت سے اسے معقول آمدن ہو جائے گی۔ یوں جو پیسے بچا کر وہ پاکستان بھیجے گا اس سے گھر کی

حالت سنور جائے گی۔شبیر کے ماں باپ کو بات سمجھ آ گئی، ویسے بھی ان دنوں ہر آدمی کو باہر جانے کا شوق تھا اور انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کو دبئی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔مگر بڑا بیٹا جو آوارہ گردی کا زیادہ رسیا تھا، کسی صورت جانے کو تیار نہیں تھا۔ ماں باپ مایوس تھے۔ پھر انہوں نے کچھ سوچ کر دوست کے مشورے سے شبیر سے بات کی تو شبیر اپنی پڑھائی چھوڑ کر نہ چاہتے ہوئے بھی ماں باپ کی خاطر گھر سے دور جانے کو تیار ہو گیا۔ دیارِ غیر میں رہتے ہوئے وہ ہر دو تین سال بعد گھر کا چکر لگاتا۔شروع میں مجھ سے بھی ملاقات ہوتی تھی۔مگر پچھلے پندرہ بیس سال سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔

پھر اس نے ایک لمبی سانس لی اور گویا ہوا۔تمہیں سب پتہ ہے کہ میرا باپ ایک غریب ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اسے مجبوری میں پندرہ سولہ گھنٹے ٹیکسی چلانا ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ بمشکل گھر کا خرچ پورا کرتا تھا۔ میں اور مجھ سے تین چار سال بڑا بھائی۔ ہم دو بھائی ان کی کل اولاد تھے۔تمہیں یاد ہو گا جب ہم دونوں ساتویں میں تھے کہ ابو کا ایک دوست جو دبئی میں رہتا تھا، ان سے ملنے آیا اور اس نے گھر کے حالات دیکھ کر ابو کو کہا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کو اس کے ساتھ بھیج دے، گھر میں معقول پیسے آنے لگیں گے۔ ویسے بھی بڑے بھائی کو پڑھنے کا شوق نہیں تھا، وہ سارا دن آوارہ پھر کر اپنا دن گزار دیتا۔ والدین کی منت سماجت کے باوجود جب بھائی نہ مانا تو ابو کے دوست کے کہنے پر میں مجبوری میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ابو کا دوست جس کو میں چچا کہتا تھا، مجھے ساتھ لے کر دبئی پہنچ گیا۔ چچا بھی ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ایک ہفتہ میں نے آرام کیا اور اس دوران ہم سوچتے رہے کہ کیا کام شروع کیا جائے کہ جس کا بار میں اس چھوٹی عمر میں اٹھالوں۔

ایک ہفتے بعد چچا مجھے ایک پنکچر والے کی دکان پر لے گیا۔ وہاں کی پنکچر کی دکان پاکستان کی دکانوں سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ وہ مکمل ٹائر شاپ ہوتی ہے۔ وہاں پنکچر کم اور ٹائر کی تبدیلی زیادہ ہوتی ہے۔ کسی نئے ٹائر میں پنکچر ہو تو ہلکا پھلکا پنکچر لگا دیا اور تھوڑا پرانا ٹائر تو فوراً تبدیل کر دیا جاتا۔ میں جس دکاندار کے پاس کام کرتا تھا، وہ بہت اچھا آدمی تھا جلد ہی وہ میری مجبوریاں سمجھ گیا اور میرا بچوں کی طرح دھیان رکھنے لگا۔ چچا بھی میرا خاص خیال رکھتا تھا۔ دن میں ٹیکسی چلاتے وہ دو تین دفعہ میرے پاس رکتا۔ روزانہ میں دکان کے لڑکوں کے ساتھ وہیں سو جاتا مگر اتوار یا چھٹی کے دن چچا کے بچوں کے ساتھ گزارتا۔ چچا ہر مہینے میری تنخواہ وصول کرتا، خرچے کے کچھ پیسے مجھے دینے کے بعد بقیہ رقم میرے والدین کو بھیج دیتا۔ پہلے چھ ماہ بہت تلخ تھے اکیلے دل نہیں لگتا تھا مگر بعد میں وہاں کے حالات سے میں نے سمجھوتا کر لیا۔ دو سال بعد میں پہلی دفعہ پاکستان آیا۔ والد اور والدہ نے اس دوران میرے بھیجے ہوئے پیسوں سے کرایے کا مکان چھوڑ کر ایک گروی مکان لے لیا تھا۔ گھر کے حالات بھی بہتر ہو گئے تھے۔ اگلے سال ابا کے مرنے پر میں آیا تو ماں کو میں نے کہا کہ تم اب گھر میں اکیلی رہتی ہو، بھائی سارا دن گھر سے غائب رہتا ہے بہتر یہی ہے کہ بھائی کی شادی کر دو، گھر میں دو عورتیں ہوں گی تو تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔

اگلے سال بھائی کی شادی ہو گئی۔ بھائی کچھ نہیں کرتا تھا۔ شادی کے اخراجات بھی میں نے ہی کیے۔ گھر کا خرچ تو پہلے ہی میرے ذمہ تھا۔ ایک دفعہ میں آیا تو میں نے ایک کنال جگہ گھر کے لئے دیکھی، بیانہ کیا اور رجسٹری بھائی کے ذمے ڈال کر بقیہ پیسے اکٹھے کرنے واپس چلا گیا۔ اس دوران ماں بھی فوت ہو گئی۔ اب میرے لئے میرا بڑا بھائی ہی میری ماں اور میرا باپ تھے۔ میں نے مکان کی تعمیر کے پیسے بھیجے۔ دو منزلہ مکان تعمیر کرایا۔ دونوں منزلوں کا ایک جیسا نقشہ تھا۔ ایک حصہ بھائی کا اور دوسرا میرا۔ پھر ایک دفعہ آیا تو بھائی نے فلاں چوک میں ایک ڈیڑھ کنال کا کمرشل پلاٹ دکھایا کہ اگر یہ خرید کر اس پر پلازہ بنا لیا جائے تو بڑا معقول کرایہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے وہ جگہ خریدنے سے پہلے تم نے مجھے بھی دکھائی تھی۔ ہاں وہی جگہ۔ میں نے بڑی محنت اور بھاگ دوڑ سے وہ پیسے اکٹھے کئے اور بھائی کو بھیجے کہ وہ میرے نام سے رجسٹری کروا لے۔ اس پر عمارت بنانے پر جو رقم خرچ ہوئی اس کا بڑا حصہ میں نے قرض لیا جسے اتارنے کے لئے مجھے بہت محنت کرنا پڑی اور میں اسی چکر میں چار پانچ سال تک گھر نہ آ سکا۔ خیر میں مطمئن تھا کہ جب بھی پاکستان جاؤں گا، اپنا گھر ہو گا اور آمدن کے لئے شاندار پلازہ۔ مگر آج سے آٹھ نو مہینے پہلے جب میں پاکستان پہنچا تو بھائی نے ایک چھوٹا سا کمرہ رہنے کو دیا۔ میں نے جب اسے اپنا پورشن خالی کرنے کا کہا تو وہ کہنے لگا کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں اب وہ ان سے کمرے خالی نہیں کرا سکتا۔ پہلے تو بات مجھے سمجھ نہ آئی لیکن دو تین دن بعد بھائی نے بتایا کہ میں نے اسے 80 اور 90 کی دہائی میں جو رقم بھیجی تھی وہ کوشش کر کے قسطوں میں مجھے واپس کر دے گا۔ مکان اور پلازے کی ملکیت کی بات ہوئی تو پتہ چلا کہ سب رجسٹریاں تو بھائی نے اپنے نام کروائی ہیں۔ میرا تو

ذکر ہی کہیں نہیں۔ میں حیران رہ گیا، بھائی نے تو میرے ساتھ سراسر فراڈ کر لیا تھا۔ ایک ایسا فراڈ کہ میں جس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

بہت سے عزیزوں نے بھائی سے بات کی۔ اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی اسے کھلم کھلا بتایا کہ تم نے تو زندگی میں آج تک کوئی کام نہیں کیا، تم پیسے کہاں سے لا سکتے ہو۔ اپنے بھائی جس نے ساری عمر تمہاری خدمت کی ہے کے ساتھ زیادتی مت کرو اور اس کی رقم اور اس کی جائیداد اسے واپس کر دو، مگر بھائی کسی کی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔ الٹا تنقید کرنے والوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ مجھے اس نے کہنے سننے کے بعد صرف پچیس لاکھ دیئے ہیں کہتا ہے کوشش کروں گا کچھ اور دے دوں۔ مگر لگتا ہے وہ سب کچھ ہضم کر چکا اور اس حد تک بے حس ہو چکا ہے کہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ کچھ پیسے میرے پاس تھے، پچیس بھائی سے ملے۔ ایک مکان لے لیا ہے۔ گھر کے اخراجات کے لئے یہ دکان بنالی ہے۔

میرے بیوی بچوں کو انتہائی افسوس ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا وہ بھائی جس سے آپ کی عقیدت بے انتہا تھی۔ اس عقیدت کا کیا صلہ ملا۔ کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ پھوٹ پھوٹ کر روؤں اور دنیا کو کہوں کبھی کسی کا اعتبار نہ کرنا چاہے وہ آپ کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ واقعی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں اسے حوصلہ دیتا رہا مگر یہ مسائل حوصلہ دینے سے حل نہیں ہوتے۔ میں بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا۔ کیا کہہ سکتا تھا۔ اسے تو لوٹا ہی ایک ایسے شخص نے تھا جس پر اعتماد ایک فطری عمل تھا مگر جب اپنے ہی لوٹ لیں تو انسان اپنا اعتماد اور اعتقاد سب کھو دیتا ہے۔ میں اسے روتے دیکھتا رہا اور جب وہ کچھ پرسکون ہوا تو میں بھی اپنی آنکھوں میں کچھ آنسوں سمیٹے وہاں سے واپس آ گیا۔

''خدا وہی جو دماغ میں عقل ڈالتا ہے''

جو انسان کی آزادی میں خلل ڈالتا ہے
اپنی آزادی کو غلامی میں بدل ڈالتا ہے

بڑا اجر ہے اس انساں کے واسطے
جو پیاسے کے منہ میں جل ڈالتا ہے

بہت بڑا شرک ہے عقل کو خدا کہنا
خدا وہی جو دماغ میں عقل ڈالتا ہے

عاجزی و انکساری سے رفعت نصیب ہوتی ہے
متکبر کو وقت بری طرح مسل ڈالتا ہے

شیخ کے فتووں کی شکایت نہ کرے کوئی
اس کے اندر جو ہے اُگل ڈالتا ہے

تنہا ہوتا ہے انسان بستر مرگ پر صاحب
اس پر جب عزرائیل سایۂ اجل ڈالتا ہے

اس سا بد نصیب نہیں دیکھا جو حسنؔ
صداقت دیکھ کر جبین پر بل ڈالتا ہے

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4 ۔ فل سائز ۔ کلر ۔ 150£ ہاف پیج ۔ کلر ۔ 80£ کوارٹر پیج ۔ کلر ۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

اسلامی جمہوریہ پاکستان

مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار

قسط 14

تحریر: رانا محمد حسن خاں

معزز قارئین! گزشتہ شمارہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کی دانشوروں، علماء اور سیاست دانوں کی نگاہ میں کیا حالت ہے، بیان کی گئی تھی۔ مزید کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل ڈاکٹر محمد خالد مسعود اپنے ایک کالم فریب خوردہ شاہین نامی میں لکھتے ہیں:۔

''مسجدیں، امام بارگاہیں، مدرسے، اسکول اور یونیورسٹیاں نفرت و انتقام کی بارُود سے لہولہو ہیں تو اسپتالوں اور بازاروں میں عفت مآب خواتین اور بچوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ نہ نمازی محفوظ ہیں، نہ امام، نہ عورتیں مامون ہیں نہ بچے نہ بزرگ، نہ قبروں کو اماں ہے نہ مدفونوں کو۔

ہمارے واعظ سراپا گفتار اور شعلہ مقال ہو گئے ہیں۔ ہمارے ناصح فرقہ بندی اور کافرگری کی دُھن میں تارک آئین رسول مُختار کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ پوری ملت ختم رُسل شعلہ بہ پیراہن کیوں ہے۔ ارضِ پاک کی حُرمت پر کٹ مرنے والے نفرت کی فصل کیوں کاٹ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ ہمارے دِل قلت سوز سے محروم ہیں اور ہماری رُوح زیاں کار اور سود فراموش ہے۔ بُلبل کے نالے بھی اس کی خاموشی کے سکوت مرگ کو کیوں نہیں توڑتے۔

پھر سوچتا ہوں کہ میں کہیں عجلت پسند تو نہیں، میں بے صبری کا اظہار تو نہیں کر رہا۔ قومیں تو کرب و بلا سے گزرتی ہی رہتی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری درسگاہوں نے سچ اور سوچ کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ سکولوں میں دونی دونی کے پہاڑوں کے شور میں، مدرسوں میں ضرب یضرب کی گردانوں کی تکرار میں اور خانقاہوں میں اللہ ہُو کی ضربوں کی گونج میں لا الہ الا اللہ کی صدا سُنائی نہیں دے رہی۔

اقبالؔ سے معذرت کے ساتھ کہ ہم پر خود فریبی کی نیند طاری ہے۔ اس کی بانگِ درا اس قافلے کو بیدار نہیں کر پا رہی۔ اس کی بال جبریل ہمارے انفس و آفاق میں کہیں گم ہو گئی ہے۔ اب کے پَر تو موجود ہیں لیکن طاقت پرواز نہیں رہی۔ یہ فریب خوردہ شاہین اب چٹانوں سے اُتر آیا ہے۔ طائر لاہوتی کی نگاہ دُور بین کمزور ہو چکی ہے۔ اب کسی بھی رزق سے نہ موت کا ڈر ہے نہ پرواز میں کوتاہی کا خوف۔ ارمغانِ حجاز میں نہ نغمہ ہندی سنائی دیتا ہے نہ حجازی لے۔ نہ عرب ہمارا راہنما چین۔ بُری تعلیم کی وجہ سے ان کے جاہل مرید اور جاہل مقتدی برسرِ عام یعنی کھلم کھلا حق میں اقبالؔ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں کہ نہ اب میرا نالہ بے باک رہا ہے اور نہ اس میں آسمان چیرنے کی ہمت ہے۔ میرے شکووں پر نہ گردوں توجہ دیتا ہے، نہ چاند ستارے۔ اب تو اِس جنّت سے نکالے کو نہ رضوان پہچانتا ہے نہ فرشتے۔ اِن کے تبسم ہائے پنہائی سے طنز نمایاں ہے کہ اس مسجد و ملائک کو خلافت راس نہیں آئی۔ یہ بھی مخلوق قدیم کی طرح خونخوار اور فسادی بن گیا ہے۔ خاک کی چٹکی میں آگ اور بارود کا خمیر شامل ہو چکا ہے۔ عجز کے اسرار سے نامحرم مٹی کا یہ پُتلا اپنی طاقت گفتگو سے خود ہی مسحور ہو چکا ہے۔ نعروں کی توپوں کی گھن گرج میں سرمست، خودکشی کی بے خودی میں مخمور، خلافت عرضی کا یہ وارث نفرت اور تکفیر کے ہتھیاروں سے فتح عالم پر مصر ہے۔'' (چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل ڈاکٹر محمد خالد مسعود حکمؔ اخبار ۳ دسمبر ۲۰۰۹)

سچ کہا تھا میرؔ نے کہ

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دَیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

منہاج القرآن کے سربراہ مولانا طاہر القادری صاحب جنہیں مسیحا اور مجدد نیز شیخ الاسلام بھی کہا جاتا ہے فرماتے ہیں:۔

''لیکن آج کے مسلمان تو عملاً یہود سے بھی آگے گزر گئے ہیں کہ اپنے گروہی، مسلکی، جماعتی اور طبقاتی مفادات کی خاطر اِنھیں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وحدت کا اتنا بھی پاس نہیں رہا کہ اسلام کی کشتی میں سوار ہر فرقہ کشتی ملت کے تختوں کو اکھاڑ اکھاڑ کر سمندر میں پھینک رہا ہے۔ اور کسی کو اتنا بھی خیال نہیں کہ اگر خدانخواستہ یہ کشتی ڈوب گئی تو وہ بھی اِس کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔

قول و فعل میں تضاد، منافقت، ریاکاری، تصنع، کذب و افتراء، روزمرہ معاملات میں فریب دہی، عیاری مکاری اور چالبازی نے ہماری پوری کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔''

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے از ڈاکٹر طاہر القادری صفحہ ۳۳ اور ۳۹)

مشہور و معروف شاعر جناب انوار عزمی نے اس دردناک صورت پر کہا ہے کہ:

رات دن لڑ رہے ہیں آپس میں
کن محاذوں پر ڈٹ گئے ہیں لوگ
تھے کبھی ایک قوم کے افراد
اب گروہوں میں بٹ گئے ہیں لوگ

جناب انوار عزمی صاحب اگر غور فرماتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ پاکستانی روز اول سے مذہبی، سیاسی، لسانی طور پر گروہ در گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک قوم ہونے اور وہ بھی زندہ قوم ہونے کا نعرہ کسی دیوانے کے دماغ کی اختراع لگتا ہے۔

گوجرہ میں مسیحیوں کے قتل عام کے ضمن میں ادارہ یہ روزنامہ حق لندن یکم ستمبر ۲۰۰۹ کی اشاعت میں لکھا ہے:۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی آیت ۶ میں فرماتا ہے۔

(یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا إِن جَاءکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَیَّنُوا أَن تُصِیْبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ۔)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے پاس اگر کوئی بدکردار کوئی خبر لائے تو (اُس کی) چھان بین کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم جہالت سے کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔

یہ ہے وہ قرآنی تعلیمات کا ایک موتی جس میں اللہ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے کہ کسی بھی اطلاع یا خبر کی تصدیق کیے بغیر کوئی فیصلہ مت کرو۔ لیکن گوجرہ اور اِرد گرد کے کچھ لوگوں نے اِس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی قرآنی تعلیمات کو پس پُشت ڈال کر آٹھ انسانوں کو جن میں معصوم بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں، آگ کے شعلوں کی نذر کردیا۔ وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی مزدوریاں کر کے اپنا رزق تلاش کرتے تھے، ان کے گھروں کو جلا کے بھسم کردیا، اور یہ ظُلم اُن لوگوں نے کیا جو خود کو ربّ العالمین اور رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے پیروکار کہتے ہیں۔

دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ مُلّائیت، مذہب کے نام پر فسادات کو لازم وملزوم بنا دیا گیا ہے۔ گوجرہ اور اِرد گرد کے علاقوں میں مُلّا حضرات نے یہ جانے بغیر کہ اصل واقعہ کیا ہے، مساجد سے اشتعال انگیز اعلانات شروع کرادیئے کہ قرآن پاک کی بے حرمتی کی گئی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ قرآن میں عدل وانصاف اور تعزیرات کے واضح احکامات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی سورۃ النساء میں فرمان باری تعالیٰ ہے ''اور جب لوگوں کے درمیان تم فیصلے کرو تو تمہارے فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوں۔'' اور عدل وانصاف حدیث نبوی کے مطابق یہ ہے کہ ''دونوں فریقوں کو (مستغیث اور ملزم) کو بولنے اور اپنی اپنی پوزیشن واضح کرنے کا پورا پورا موقع دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ بے انصافی ہوجائے۔''

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جب فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

گوجرہ کے مذہبی جنونیوں نے پاکستان کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی بھی بے حُرمتی کی ہے۔ قرآن پاک کی بے حُرمتی اس لئے کہا ہے کہ بغیر انصاف کے بیگناہ بچوں اور عورتوں کو زندہ جلا کر قرآن کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو ہم سب میں کون ہے جو توہین قرآن کا مجرم نہیں ہے؟ ہمارا حکومتی نظام، ہماری سیاست، معاشرت اور مذہبی نظام میں ہر وقت قرآن کی توہین جاری ہے۔ چوریاں، ڈاکے، تاجروں دکانداروں کی لوٹ کھسوٹ، اشیائے خوردنی میں ملاوٹ، ناپ تول میں دھوکہ بازی، جعلی ادویات، دونمبر مصنوعات کی تیاری، راہ چلتی عورتوں پر آوازے کسنا، فحش ڈانس دیکھنا، معصوم بچے اور بچیوں کو ہوس کا نشانہ بنانا، رشوت لینا، یتیم غریب اور لاوارث لوگوں کی جائیدادوں پر قبضہ وغیرہ۔ وہ علماء جنہوں نے یہ آگ بھڑکائی، وہ قرآن کی حکم عدولی اور توہین کے سب سے بڑے مجرم ہیں۔

قرآن کی سورۃ ال عمران میں اللہ فرماتا ہے ''اور فرقوں میں نہ بٹ جانا'' لیکن یہ علماء قرآن کا یہ حکم بھی نہیں مانتے اور ہر گلی میں ہر فرقے نے اپنی اپنی الگ مسجدیں بنائی ہوئی ہیں، جہاں اکثر اوقات ایک دوسرے کے عقائد پر لعن طعن کی جاتی ہے۔ افسوس صد افسوس خود کو محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیروکار کہلوانے والے بھول گئے کہ سرکار دو عالم پر روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی عورت جب ایک دن نہ پہنچی تو آپ ﷺ خود اس کے گھر اس کی خیریت دریافت کرنے پہنچ گئے۔ مذہبی جنونیو، یہ ہے اسلام، یہ ہے قرآن پاک اور تم ہو کہ بُتوں کو پوجتے ہوئے زندہ انسانوں کو جلا رہے ہو۔

گوجرہ کے معصوم بچوں اور عورتوں پر ڈھائی گئی قیامت کے منظر کو ذرا تصور میں

لائیں۔ جب یہ آٹھ بے گناہ لوگ جن میں بچے عورتیں اور بوڑھے شامل تھے، آگ میں جل رہے تھے، ان کی کیا حالت ہوگی؟ کس تکلیف اور اذیّت سے گزرے ہوں گے؟ کتنی چیخیں ماری ہوں گی؟ کس قدر تڑپے ہوں گے؟ ایک لمحہ کے لیے ماچس کی تیلی جلا کر اپنی اُنگلی پر رکھ کر دیکھیں۔۔

(روزنامہ حق کندن یکم ستمبر ۲۰۰۹ء)

اور اسی بربریت کے واقع کے متعلق کالم نگار منیر احمد بلوچ نے لکھا تھا:۔

''آر پی او فیصل آباد نے بتایا ہے کہ سانحہ گوجرہ میں کالعدم تنظیم سپاہ صحابہ کے کارکنوں نے ہوا دی۔ مولانا نفیس الرحمان اور ساتھی ریلوے ٹریک سے ہجوم پر فائرنگ کرتے رہے اور نقاب پوش (علماءِ سُو کے چیلے) عیسائی گھروں کو آگ لگاتے رہے۔ معاملہ ٹھنڈا ہونے لگتا تو مسیحی برادری اور مسلمانوں کے ہجوم پر فائرنگ کی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی حمید مسیح کے گھر کو تالا لگا کر جلا دیا گیا جس سے سات افراد مارے گئے۔'' (دسمبر ۲۰۰۹ء ماہنامہ طلوع اسلام۔ منیر احمد بلوچ)

مشہور کالم نگار و تجزیہ کار محترمہ صوفیہ بیدار صاحبہ ۲۰۰۸ء میں ہونے والے قتل و غارت گری کے واقعات پر تڑپ اٹھیں اور خون جگر سے اپنے کالم ''علماء چُپ کیوں ہیں؟'' میں لکھا کہ:۔

''آگ ہی آگ، خُون ہی، خُون، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان کا قتل، نوجوانوں کے لاشے اور علماء کی رمز آمیز خاموشی۔۔۔ یہ اچھا نہیں۔ یہ مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا۔ یہ اسلام میں جائز نہیں۔ پھیکے پھیکے جملے، دبی دبی خاموشیاں اور جلتا ہوا وطن۔ بات بات پر فتوے جاری کرنے والے علماء، دایاں پاؤں پہلے اُٹھایا جائے یا بایاں، خواب میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں جیسے بیسیوں فتوے جاری کرنے والے علماء قوم کے نوجوانوں کو اگر ''جہاد'' پر لگانے کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تو کھل کر فتویٰ دیں۔ مذہب کی غلط تعبیروں میں اُلجھے اور بھٹکے ہوئے اذہان کو بتائیں کہ خودکش حملے اسلام میں جائز نہیں یہ راہ مسافت نہیں انہیں جہنم میں لے جائے گی، اگر وہ اس قدر تابعدار ہیں تو وہ صحیح اسلام پر بھی غور کریں گے۔ جس طرح شجرِ محبت اطراف میں نُور کی بارش کر دیتا ہے اسی طرح نفرت اطراف کے پودوں حتیٰ کہ کونپلوں کو بھی کھا جاتی ہے، نفرت کا زہر محبت کے اَمرت کو بھی کسیلا کر دیتا ہے۔ ایسے میں ہمارے مذہبی علماء جنہیں میں بچپن سے بات بات پر فتوے دیتے، اچھے بھلے ایمان والوں کو کافر قرار دیتے، شرعی معاملات پر چینل پر بیٹھے گھنٹوں مسئلے مسائل کرتے دیکھتی چلی آ رہی ہوں، کبھی یہ تحریک کی صورت میں ٹرکوں پر چڑھ کر بھٹو صاحب کی جدیدیت کا خاتمہ کر رہے ہیں، کبھی شرح کے مسائل میں مختلف فرقوں پر پابندی یا پھر اقلیت قرار دلوانے کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں، اب بھی اپنی الیکشن مہم میں سڑکوں، چوراہوں پر دھرنا دیتے ہیں، پولیس کے ہاتھوں دریدہ پیراہن بھی ہو چکے ہیں، لاٹھیاں کھائیں، سَر پھڑوائے اور جب واقعتاً مُلک پر اتنا کڑا وقت آیا ہے تو پھر یہ سب دھرنے دینے والے کہاں ہیں؟ انسانی لاشوں پر خاموش کیوں ہیں؟ مذہب اِس بارے میں کیا کہتا ہے؟ جمعہ کے خطبوں میں عوام کو کیوں نہیں اِس بارے میں بتایا جاتا؟ اسلام کی اصل رُوح، دین کا تقاضہ آنے والی نسلوں کو کیوں نہیں سمجھاتے؟ صبر اور شُکر کا کیا مقام ہوتا ہے، کیوں آگاہی نہیں دیتے؟ اس قدر خُون بہہ چکا ہے، اپنوں ہی سے انتقام کی یہ کون سی رِیت ہے؟ اپنے آنگن میں نفرت کے پودے لگانا کہاں کی دانشمندی ہے، کل کو اس زہر کی پرورش ہوگی تو کسی کا بھی دامن نہ بچ پائے گا۔

(روزنامہ خبریں ۲۴ ستمبر ۲۰۰۸۔ ''علماء چُپ کیوں ہیں؟'' از صوفیہ بیدار صاحبہ)

جناب محمد راغب الحسن صاحب فرماتے ہیں:۔

''مسلم قوم کی مذہبی پیشوائیت نے کرہء عرض پر کوئی ایسی مسجد نہ چھوڑی جو صرف اللہ کے نام پر ہو اور جہاں تفرقہ بازی نہ ہوتی ہو۔۔۔ غرض القرآن کے ہر اصول، ہر نظریے سے بغاوت کی گئی، اس کے ہر حُکم کے برخلاف عمل کیا گیا، اِس کے دیے ہوئے ہر تصور کو بدل ڈالا گیا اور اِس کے باوجود دعویٰ ایمان کا! دعویٰ اسلام کا!! یا للعجب!!!

مسلم قوم کی مذہبی پیشوائیت نے لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے ایک تصور عام کیا کہ دین میں عقل کا استعمال حرام ہے، عقل ہے کیا؟ ایک طاقت یا صلاحیت جو حواس انسانی کے ذریعہ حقائق کو معلوم کرتی ہے، قرآن نے اُن لوگوں جہنمی قرار دیا ہے جو ان حواس کا استعمال نہیں کرتے۔ (آیت ۱۷۹ سورۃ ۷، آیت ۱۰ سورۃ ۶۷) مسلم قوم کی مذہبی پیشوائیت نے مسلم قوم میں نہ آنشداء علی الکفار کی صفت باقی رہنے دی اور نہ ہی رحماء بینھم کی خوبی۔ انہوں نے فرقہ بندیوں کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ مسلم قوم آپس میں ہمیشہ سے دست و گریباں ہے لیکن غیر مسلموں سے نا صرف بے جا مفاہمت کرتے ہیں بلکہ ان کی بالا دستی بھی بخوشی قبول کر لیں۔ اب تو مسلم قوم کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ دو فرقوں کی لڑائی میں بھی مدد کے لیے غیر مسلموں کا تعاون حاصل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔''

(مہجور القرآن صفحہ ۱۴، ۲۰ کتاب گھر)

جناب محمد راغب الحسن صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

’’مسلم قوم کی مذہبی پیشوائیت نے رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بارے میں ایسے ایسے افسانے تراشے کہ ان افسانوں کی بنیاد پر ’’رنگیلا رسول‘‘ اور ’’شیطانی آیات‘‘ جیسی بد نام زمانہ کتابیں لکھی گئیں ،ایسی کتابوں کے لیے مواد کا کام مسلم قوم میں موجود ’’غیر از قرآن‘‘ کُتب نے ہی سَر انجام دیا۔‘‘

(مہجور القرآن از محمد راغب الحسن صفحہ ۱۲۵ ادارہ کتاب گھر)

مشہور کالم نگار ارشاد احمد حقانی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ پورے برصغیر میں ایک دو افراد کو علّامہ کہا جاتا تھا جیسے علّامہ مشرقی اور علّامہ اقبال۔لیکن آج ہر دوسرا مولوی علّامہ ہے۔جس نے چند شعر یاد کر لیے اور تاریخ اسلام کے دو چار واقعات ان کی صحیح معنویت سمجھے بغیر رٹ لیے وہ علّامہ بن جاتا ہے۔اس کی جلسہ گاہ میں آمد پر نعرے لگتے ہیں۔اس کی تقریر کے دوران بات جس قدر احمقانہ کی جائے اسی قدر زیادہ پُر جوش پذیرائی ہوتی ہے۔دین کا ایک مضحکہ خیز اور انتہائی مسخ شُدہ تصوّر ایسے جاہل علّاموں کے ذریعہ نیم خواندہ عوام میں پھیلایا جا رہا ہے۔اور یہ کاروبار ایک جگہ نہیں سارے مُلک میں ہو رہا ہے۔

(جنگ لاہور ۲۵ مارچ ۱۹۸۴ء بحوالہ مذہبی و سیاسی فرقہ بندیاں از محمد اشرف ظفر صفحہ ۱۴۸)

ہر کوئی بنا ہے اپنے خیال میں
اک عالم جسے افلاطون کہتے ہیں

مولانا یوسف لدھیانوی (مرحوم) نے اپنی کتاب ’’معاشرتی بگاڑ کا سدّ باب‘‘ کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا تھا کہ:۔

’’ایک قیامت بالائے قیامت یہ بھی برپا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر بڑے شاندار جلوس نکالے جاتے ہیں،اور نعرہ تکبیر کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جس کے آگے مساجد کی اذانیں پست ہو جاتی ہیں،اور مسجدیں خالی رہتی ہیں اور سڑکوں پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے،جگہ جگہ خانہ کعبہ اور روضہء مبارک کی شبیہ بنائی جاتی ہیں،اور جاہل عورتیں اور مَرد اِن پر نذرانے پیش کرتے ہیں،اِن جاہلانہ رسموں کا نہ صرف یہ کہ دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ساری باتیں لہو و لعب کا ذریعہ بنانے کے مترادف ہے۔روزانہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ہر طرح کے خلاف شرع پروگرام پر عمل ہو رہا ہے اور غضب بالائے غضب یہ ہے کہ بڑے جذبہ تقدّس کے ساتھ نوجوان عورتیں اور برہنہ سَر، غیر شرعی لباس میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی اکرم ﷺ کی نعت، نہایت ترنّم اور خوشگوئی کے ساتھ سامعین کے سامنے بے حجاب پیش کرتی ہیں۔‘‘

نام نہاد مولویوں نے عوام الناس کو سوائے فرقہ واریت کی تعلیم کے دیا ہی کیا ہے کہ ان کی نالائقی پر شکوہ کریں۔بیان کردہ جاہلانہ رسموں کو بڑھاوا دینے والے بھی نام نہاد مولوی ہیں کہ ان حرکات سے اُن کے پیٹ کا دھندا چلتا ہے۔یاد رہے کہ مولانا یوسف لدھیانوی کو بھی ان کے مخالفین نے گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔

محمد حنیف صاحب لکھتے ہیں:۔

’’ستّر کی دہائی میں ہم نے نئے کافر تیار کرنے کا جو کامیاب تجربہ کیا تھا وہ وہیں نہیں رکا اسّی اور نوّے کی دہائی میں کئی مسجدوں سے نعرے اٹھے۔کافر کافر، شیعہ کافر اور ملک کے طول و عرض میں شیعہ ڈاکٹر، استاد، وکیل، تاجر اور دانشور چُن چُن کرا تنی بے دردی سے قتل کیے گئے کہ احمدی بھی کہہ اُٹھے ہوں گے کہ شکر ہے ہم کافر ہیں شیعہ نہیں۔اس کے بعد سے کافر پیدا کرنے کا کاروبار اتنا پھیل چکا ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے ہر شہری کے لیے دو اور ایسے مسلمان موجود ہیں جو اسے کافر سمجھتے ہیں،فوج پہلے طالبان کو مومنین سمجھتی تھی اب کافر سمجھتی ہے یا شاید ہمیں یہی بتاتی ہے۔پنجاب کی حکومت پنجابی بولنے والے طالبان کو مسلمان سمجھتی ہے، پشتو بولنے والوں کو کافر، یا الٰہی یہ ملک ہے یا کافر بنانے کی فیکٹری۔‘‘

(کافر فیکٹری از محمد حنیف بی بی سی اردو ڈاٹ کام کراچی، ۲۹ مئی ۲۰۱۰ء)

جناب محمد حنیف رامے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب نے لکھا تھا:۔

’’ہم ایک بے روح معاشرے میں جی رہے ہیں۔یہاں خُدا کا نام تو بہت لیا جاتا ہے لیکن اسے زندہ محسوس نہیں کیا جاتا۔اگر ہم خدا کو زندہ محسوس کرتے تو ہمارے چہروں پر نور ہوتا، پیشانیاں چمک رہی ہوتیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں (نعوذ باللہ) خدا مر چکا ہے اور ہم اسے دفنا چکے ہیں۔ہم نے خود خُدا کو یہ کہہ دیا ہے کہ تُو پیچھے ہٹ جا اور ہمیں دُنیا کا مزہ چکھ لینے دے۔ہمیں یہ کھیل کھیل لینے دے۔انہوں نے کہا کہ ہم آج ایک بے خُدا معاشرے میں زندہ ہیں۔ہم نے منافقت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔کیا ہم نے یہ ملک اس لیے بنایا تھا کہ رشوت کا بازار گرم کریں، خُدا کی آیات فروخت کریں اور جہالت کی سطح کو کبھی ختم نہ ہونے دیں۔‘‘

(مساوات لاہور ۲۷ جولائی ۱۹۷۴ء)

معزز قارئین! جناب محمد حنیف رامے سابق وزیر اعلیٰ پنجاب اُس حکومت کا حصہ تھے جن کی من مانیاں دیکھ کر شیطان بھی شرماتا ہو گا۔پھر ان کی جماعت کا سربراہ

خُدا کے غضب کا نشانہ بنا۔ غالباً جناب حنیف رامے صاحب کو اپنے آقاؤں سے فارغ ہونے کے بعد انہیں بے روح معاشرہ بھی دکھائی دینے لگ گیا ہے۔

معزز قارئین! خدا کا شکر ہے کہ بھٹو پارٹی کے ایک رکن نے سچائی کا بول بالا کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ ہمارے معاشرے کا رویہ مشرکانہ ہے اور ہم منافقت کا کھیل کھیلتے ہیں۔ مولانا لوگوں کو بھی چاہیے کہ ذاتی انا کو چھوڑ کر سیدھے راستہ کی طرف لوگوں کی راہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ تمام بھٹکے ہوئے دلوں کو سچائی کا نُور عطا فرمائے اور زندہ خُدا کی محبت نصیب کرے آمین۔

خُدا آج بھی زندہ ہے بدقسمت ہے وہ دل جسے اپنے خُدا کی خبر نہ ہو۔

معزز قارئین! پنڈت میلارام وفاؔ کا ایک شعر پیش ہے۔

خُدا کے نام پر دست و گریباں ہیں خُدا والے
بہت ہے جس قدر ذکر خُدا خوفِ خُدا کم ہے

مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی صاحب فرماتے ہیں :۔

''کاش آج کا مسلمان کہہ سکتا کہ ہمارے اندر یہودیت نہیں ہے۔ آج یہودیت ہم میں سے کسی کے اندر پچاس فیصد ہے، کسی کے اندر ساٹھ فیصد ملے گی، کسی کے اندر ستّر فیصد ملے گی، کسی کے اندر اسّی اور کسی کے اندر نوّے فیصد ملے گی (مولوی میں ننانوے فیصد یہودیت ملتی ہے) یہ حالت ہے مُسلم مُعاشرے کی ہے۔'' (روزنامہ مُنصف ۴ جنوری ۲۰۱۱ء)

اور مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب (مرحوم) نے کہا تھا:۔

ہمارے دلوں سے ایمانی غیرت اور دینی حمیت رُخصت ہو چکی ہے، اور ہماری ایمانی رُوح مَر چکی ہے۔ ہم ذلّت و ادبار کی گہرائی میں گر چکے ہیں۔

(دارالعلوم مارچ ۲۰۰۸ صفحہ ۳۶، ۳۷ مصنف مولانا سعید احمد جلال پوری)

مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب (مرحوم) مزید یہ بھی کہا تھا:۔

''اِس وقت مسلمان من حیث القوم مجموعی اعتبار سے تقریباً بدعملی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اِس وقت مسلمانوں میں ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت کا فقدان ہے، بلکہ مسلمان بھی الا ماشاء اللہ۔۔ کُفّار اور مشرکین کی طرح موت سے ڈرنے لگے ہیں۔ اس وقت تقریباً مسلمانوں کو، دین مذہب، ایمان، عقیدہ سے زیادہ اپنی اپنی اولاد اور اپنے خاندان کی دُنیاوی راحت و آرام کی فکر ہے۔ آج کل مسلمان الا ماشاء اللہ۔۔۔ موت، مابعد الموت، قبر، حشر، آخرت، جہنم اور جنّت کی فکر و احساس سے بے نیاز ہو چکے ہیں اور اُنہوں نے کافر اقوام کی طرح اپنی کامیابی و ناکامی کا مدار دُنیا اور دُنیاوی اسباب و ذرائع کو بنا لیا ہے۔ اِس وقت مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، بھروسہ اور توکل نہیں رہا، اِس لیے وہ دُنیا اور دُنیاوی اسباب و وسائل کو سب کچھ باور کرنے لگے ہیں۔ جب سے مسلمانوں کا اللہ کی ذات سے رشتہ عبدیت کمزور ہوا ہے، انہوں نے عبادات اور اعمال کے علاوہ قریب قریب سب کچھ ہی چھوڑ دیا ہے حتیٰ کہ بارگاہِ الٰہی میں رونا، ملمِلانا اور دُعائیں مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ جس طرح کُفر و شرک کے معاشرہ اور بے خُدا قوموں میں بدکرداری، بدکاری، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، حرام کاری، حرام خوری، جبر، تشدد، ظلم اور ستم کا دور دورہ ہے ٹھیک اِسی طرح نام نہاد مسلمان بھی اِن بُرائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق ہیں۔

جس قوم اور معاشرہ کی غذا، لباس، گوشت، پوست حرام مال کی پیداوار ہوں، اُن کی مدد اللہ کیسے کرے۔ کیا ایسا معاشرہ جہاں دین، دینی اقدار کا مذاق اڑایا جاتا ہو، جہاں قرآن و سنت کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں اس میں تحریف کی جاتی ہو، جہاں ان میں من مانے مطالب، مفاہیم اور معانی پہنائے جاتے ہوں، جہاں حدود اللہ کا انکار کیا جاتا ہو، جہاں سود کو حلال اور شراب کو پاک کہا جاتا ہو، جہاں زنا کاری اور بدکاری کو تحفظ ہو، جہاں ظلم و تشدد کا دور دورہ ہو۔۔۔ جہاں اپنے اقتدار اور حکومت کے تحفظ کے لیے دین و مذہب، اور شرم و حیا کی تمام حدود کو پھلانگا جاتا ہو، وہاں اللہ کی رحمت نازل ہوگی؟ یا اللہ کا عذاب و عقاب؟؟؟

بلاشبہ آج کا دور دجّالی فتنے اور نئے نئے نظریے کا دور ہے، زمانہ بوڑھا ہو چکا، ہم جنس پرستی کو قانونی جواز حاصل ہو چکا، ناچ گانے کی محفلیں عام ہو چکیں، دیکھا جائے تو یہ قربِ قیامت کا وقت ہے، اس وقت مسلمانوں سے اللہ کی حفاظت اور مدد اُٹھ چکی ہے، مسلمانوں کی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں، سچی بات یہ ہے کہ اللہ کی ناراضگی، چاپلوسی، انانیت، خود پسندی اور اُمّت کے زوال کا وقت ہے، فتنہ و فساد عروج پر ہیں، خیر سے محروم لوگوں کی کثرت ہے لعنت و غضب کا وقت ہے، اور یہود و نصاریٰ کی نقالی کامیابی کی معراج شمار ہونے لگی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں اور معاشرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟''

(مولانا سعید حمد جلال پوری مدیر ماہنامہ بینات دارالعلوم جون ۲۰۰۸ء صفحہ ۲۱، ۲۲)

(انشاء اللہ اگلے شمارہ میں پاکستان میں آباد غیر مسلم اقلیتوں کی حالت زار پر بات ہوگی۔)

☆☆☆

عرب بہار: سازش یا کچھ اور!

(تحریر و تحقیق: سمیع اللہ ملک)

دس سال قبل عرب دنیا میں نام نہاد عوامی بیداری کی ایک ایسی لہر (عرب اسپرنگ) اٹھی جس نے بہت کچھ الٹ، پلٹ کر کے رکھ دیا۔ عوامی بیداری کی اس لہر نے نئی امیدوں کو جنم دیا اور یوں بہت کچھ بدل گیا۔ دس سال قبل عوامی سطح پر ابھرنے والی جذبات کی اس لہر نے بعض ایسی حکومتوں کو ختم کر دیا، جن کے خاتمے کی کوئی راہ دکھائی نہ دیتی تھی اور پھر عوامی بیداری کی اس لہر کے بطن سے ایک ایسی تحریک نے بھی جنم لیا جس نے خلافت کے احیا کا بیڑا اٹھایا۔ یوں مشرقِ وسطی نے اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ایسے واقعات کے ساتھ قدم رکھا جن پر بظاہر کسی کا کوئی اختیار نہ تھا۔ عوامی بیداری کی اس لہر نے بعض ایسے واقعات کو جنم دیا جن کے دوررس اثرات مرتب ہونے تھے اور ہوئے، تاہم مشکل یہ ہے کہ عرب دنیا میں عوامی سطح پر بیداری کی لہر کے اٹھنے سے جن تبدیلیوں کا خواب دیکھا گیا تھا وہ اب تک شرمندہ تعبیر ہونے کی منزل سے بہت دور ہے کیونکہ اس لہر کو برپا کرنے کیلئے ''ون ورلڈ آرڈر'' کا اپنا ایجنڈہ ہے۔

مصر، تیونس، لیبیا اور یمن میں بیداری کی لہر نے غیر معمولی تبدیلیوں کو راہ دی۔ عوام میں غیر معمولی جوش وخروش تھا۔ ایسے میں اصلاحات کا سوچا گیا۔ توقع یہ تھی کہ جب اصلاحات کا عمل مکمل ہوگا تو ان ممالک کی تقدیر بدل جائے گی۔ افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ آمریت کا ایک دور ختم ہوا تو دوسرا شروع ہوا یا پھر خرابیوں نے ان ممالک کا رخ کر لیا۔ یمن، لیبیا اور شام میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ یہ سلسلہ بہت حد تک اب بھی برقرار ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عرب دنیا میں عوامی بیداری کی جو لہر اٹھی تھی وہ راتوں رات ختم ہو گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھ سال بعد لبنان، سوڈان، الجزائر اور عراق میں بھی عوامی بیداری کی لہر اٹھی اور بہت سے معاملات کو پلٹ کر رکھ دیا۔ لبنان کی مصنفہ اور مترجم لینا منذر کا خاندان لبنان اور شام میں منقسم ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بہت سے معاملات اس قدر تبدیل ہو چکے ہیں کہ آسانی سے شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات تو اب ثابت ہو چکی ہے کہ عوام چاہیں تو طویل مدت سے اقتدار پر قابض کسی بھی آمر کے خلاف کامیاب تحریک چلا سکتے ہیں۔ سوال صرف ہمت سے کام لینے کا ہے۔

عرب بہار کی ابتدا 17 دسمبر 2010 کو تیونس کے شہر سیدی بوزید سے ہوئی، جب ایک شخص نے پولیس کی طرف سے ہراساں کیے جانے پر تنگ آ کر گورنر کے دفتر کے سامنے پٹرول چھڑک کر خودسوزی کی۔ تیونس یا خطے میں خودسوزی کرنے والا محمد بوعزیزی پہلا شخص نہیں تھا مگر اس کی موت نے ایسی آگ لگائی جس کا دائرہ دیکھتے ہی دیکھتے وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ سرکاری میڈیا پر سخت پابندیوں کے باعث اس کی کہانی پھیلی بھی نہیں تھی مگر پھر بھی بات لوگوں تک پہنچ گئی۔ خود کو آگ لگانے والا بوعزیزی 4 جنوری کو چل بسا۔ تب تک احتجاج کا دائرہ ملک گیر ہو چکا تھا۔ زین العابدین بن علی کا 23 سالہ اقتدار بالآخر ختم ہوا۔ دس دن بعد تیونس کے صدر زین العابدین بن علی کو سعودی عرب فرار ہونا پڑا اور اس کے بعد مصر، لیبیا اور یمن میں بھی احتجاج شروع ہو گیا، لوگ سڑکوں پر آ گئے۔

مصر میں غیر معمولی احتجاجی لہر دکھائی دی۔ مصر کا دارالحکومت قاہرہ خطے کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس شہر میں لاکھوں افراد نے گھروں سے نکل کر تحریر اسکوائر کا رخ کیا اور ریاستی جبر کا سامنا کرتے ہوئے احتجاج جاری رکھا۔ تیس سال سے اقتدار پر قابض حسنی مبارک نے چاہا کہ مظاہرین کو سختی سے کچل دیا جائے۔ تحریر اسکوائر کے اردگرد فوج کے وہ دستے بھیجے گئے جو خطرناک ترین صورتِ حال کو کنٹرول کرنے کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ حکومت کے خلاف احتجاج کرنے والوں سے نمٹنے کے معاملے میں خصوصی دستوں نے، ہدایات کی روشنی میں، خاصی سفاکی دکھائی۔ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا مگر اس کے باوجود لوگوں نے ہمت نہ ہاری اور حسنی مبارک کو اقتدار سے الگ کرنے کے حوالے سے کاوش جاری رکھی۔ جو کچھ قاہرہ سمیت پورے مصر میں دکھائی دیا اس نے خطے ہی کو نہیں بلکہ دور افتادہ ممالک میں بھی آمریت کے خلاف احتجاج کو ہوا دی۔ مصر کے لوگوں نے جو کچھ کیا اس نے تاریخ رقم کی۔ خطے میں چند آمر عشروں سے اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے۔ مصر میں شروع ہونے والی احتجاجی تحریک نے پورے خطے میں عوام کو ظلم کے خلاف کھڑا ہونے کا حوصلہ بخشا۔ مصر میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے خطے کے متعدد ممالک میں ہونے لگا۔ مصر کے سینئر صحافی احدف السیف نے برطانوی اخبار دی ''گارجین'' میں لکھا کہ لوگ نظامِ حکومت کی تبدیلی کیلئے میدان میں آ گئے ہیں اور اب وہ اپنی بات منوائے بغیر گھروں کو واپس نہیں جائیں گے۔

آمروں کے طویل اقتدار سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ اب کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی اور یہ کہ آمریت ہی ان کا مقدر ہے۔ مطلق العنان حکمرانی نے ان کے دل و دماغ ماؤف کر دیے تھے۔ جب عرب دنیا میں بیداری کی لہر دوڑی تو یہ احساس

بھی پوری شدت کے ساتھ ابھرا کہ مطلق العنان حکمران دس فٹ کا قد نہیں رکھتے یعنی عام انسانوں ہی کی طرح ہیں اور کوئی بھی بڑی تبدیلی یقینی بنائی جاسکتی ہے۔

مصنفہ لینا منذر کو اچھی طرح یاد ہے، جب بیداری کی لہر دوڑی تو ابتدائی دنوں میں یہ تصور شکست وریخت سے دوچار ہوا کہ عرب دنیا میں اب کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ یہ تصور پایا جاتا تھا کہ ہم عرب کاہل اور جبر کے خلاف کھڑے ہونے سے بیزار ہیں اور یہ کہ ہم نے شخصی حکومتوں کو مقدر سمجھ کر قبول کرلیا ہے کہ اس میں بنیادی خطا ہماری ہی ہے، ہم ہیں ہی اس قابل کہ ہم پر آمر حکومت کریں۔ 11 فروری 2011 کو وہ ہوا جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ جی ہاں، مصر کے مطلق العنان حکمران حسنی مبارک نے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔ لینا منذر کو یاد ہے کہ جس رات حسنی مبارک نے اقتدار چھوڑا وہ روتی رہیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ مصر کے لوگ اتنے بہادر بھی ہوسکتے ہیں۔ اس کے بعد شام میں بھی تبدیلی کی لہر اٹھی۔ لوگوں نے بشارالاسد کے اقتدار کے خلاف جدوجہد شروع کی۔

استنبول میں قتل کیے جانے سے 6 ماہ قبل سعودی عرب کے منحرف مصنف جمال خاشقجی نے لکھا کہ عرب دنیا میں بیداری کی جو لہر اٹھی اس نے ثابت کردیا کہ عرب دنیا اور جمہوریت میں بھی تال میل ہوسکتا ہے۔ ایک زمانے سے یہ کہا جارہا تھا کہ عرب دنیا میں جمہوریت آ ہی نہیں سکتی۔ عوامی بیداری کی لہر نے ثابت کیا کہ یہ سوچ غلط ہے۔

مصر میں حسنی مبارک اور تیونس میں زین العابدین بن علی کے بعد لیبیا میں معمر قذافی، یمن میں علی عبداللہ صالح اور گزشتہ برس سوڈان میں عمر البشیر کے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ یہ سب کچھ عوام کے بیدار ہونے پر ممکن ہوسکا۔ ان پانچ آمروں نے مل کر مجموعی طور پر 146 سال حکومت کی۔ ہم یمن کے ایک ہوجانے سے قبل شمالی یمن پر علی عبداللہ صالح کے بارہ سالہ اقتدار کو اس میں شامل نہیں کررہے۔ زین العابدین بن علی نے 1987 سے 2011 تک، حسنی مبارک نے 1981 سے 2011 تک، معمر قذافی نے 1969 سے 2011 تک، علی عبداللہ صالح نے 1990 سے 2012 تک اور عمر البشیر نے 1989 سے 2019 تک حکومت کی۔ 2019 میں ''نوح فلڈمین'' نے ''عرب ونٹر'' کے عنوان سے کتاب لکھی اور تب سے یہ اصطلاح بھی عام ہوئی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے امور کے ماہر مائیکل اگنی ٹیف کہتے ہیں کہ فیلڈمین کی کتاب نے عرب دنیا میں بیداری کی لہر کی موت کو بیان کیا ہے۔ یہ ایک بڑا المیہ ہے۔

عرب دنیا کے لوگ بیدار تو ہوئے اور مطلق العنان حکومتیں ختم بھی کیں مگر اس سے جو خلا پیدا ہوا وہ بہتر انداز سے پر نہ کیا جاسکا، اور اس کے نتیجے میں ایک بار پھر خرابیاں پیدا ہوئیں اور جمہوریت کے بجائے پھر مطلق العنان حکومتیں قائم ہوگئیں۔ مصر میں حسنی مبارک کا اقتدار ختم ہوا تو انتخابات بھی ہوئے اور اخوان المسلمون کو اقتدار ملا مگر صرف ایک سال بعد اس اقتدار کی بساط لپیٹ دی گئی اور اس کے بعد پولیس نے ایک بار پھر پورے ملک میں انقلابی سوچ کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ صدر مرسی کے تحت صرف ایک سال گزارنے کے بعد وزیر دفاع جنرل عبدالفتاح السیسی نے بغاوت کی اور اخوان المسلمون کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا اور صدر محمد مرسی کو معزول کرکے جیل میں ڈال دیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی عبدالفتاح السیسی اقتدار میں ہے اور اس کا طرزِ حکومت حسنی مبارک کے دور کی سفاکی سے بڑھ کر ہے۔ ایک بڑی مشکل یہ بھی ہوئی کہ مصر میں حسنی مبارک کے آمرانہ اقتدار کے خلاف تحریک چلانے والوں میں اختلافات نے جنم لیا۔ مصر میں پولیس اور دیگر ریاستی اداروں کا جبر ختم ہوا نہ افلاس کا گراف نیچے لایا جاسکا۔ عوام کی مشکلات کم نہ ہوئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت مصر میں افلاس ریکارڈ بلندی پر ہے۔ نئی نسل اس قدر مایوس اور بیزار ہے کہ وہ بہتر مستقبل کیلئے مصر کی حدود سے نکلنے کو ترجیح دینے پر مجبور ہے لیکن مصر اور عالم عرب منتخب صدر مرسی کی حکومت کا تختہ الٹنے کی وجوہات سے نہ صرف بخوبی واقف ہیں بلکہ السیسی کو اقتدار میں لاکر مصر کو برباد کرنے اور جمہوریت کے نام پر دوعملی اور منافقت کرنے والوں کو بھی نہیں بھولے۔

بحرین خلیج فارس کے خطے کی واحد ریاست ہے، جہاں عوامی سطح پر مظاہرے ہوئے۔ ان مظاہروں کو کچل دیا گیا اور یہ سب کچھ محض اس لیے ہوا کہ سعودی عرب ایسا چاہتا تھا۔ سعودی عرب میں بھی ریاستی مشینری نے عوامی سطح پر کسی بھی نوعیت کے احتجاج کی راہ مسدود کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ الجزائر میں بھی عوام اٹھے مگر انہیں دبوچ لیا گیا۔ مراکش میں عوام کے احتجاج کو چند اصلاحات اور عدالت کے ذریعے چند سخت اقدامات کی مدد سے کچل دیا گیا۔

لیبیا میں معاملہ تھوڑا مختلف تھا۔ معمر قذافی کے 42 سالہ اقتدار کے خلاف کھڑے ہونے والے جب اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے تو متوازن حکومت قائم نہ کرسکے اور جنگجو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ پچھلی دو دہائیوں سے امریکا اور مغرب سے جو مناقشت کا عمل جاری تھا، اس کو ختم کرنے کیلئے بہترین پلاننگ کے ساتھ عرب اسپرنگ کے نام پر بھرپور کارروائی کی گئی جس کے نتیجے میں دنیا کے سب سے خوشحال ملک کا تیا پانچہ کرکے ایسی خانہ جنگی کا آغاز کیا گیا جس کے ختم ہونے تک وہاں کے عوام کو جو سبز باغ دکھائے تھے، اس کے برعکس ان کو تباہ و برباد کردیا گیا ہے گویا ایک خرابی نے ختم ہونے کی بجائے دوسری خرابی کو جنم دیدیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ملک کے حصے بخرے ہوگئے۔ اسی طرح یمن فرقہ وارانہ بنیاد پر پیدا ہونے والے تنازع کی دلدل میں جاگرا ہے اور جنگی فریقین سے اسلحے اور بارود کی فروخت کے نام پر اربوں ڈالر بٹورے جاچکے ہیں اور اسرائیل کی بالادستی قائم ہوچکی ہے۔

شام وہ ملک ہے جہاں عرب دنیا میں اٹھنے والی بیداری کی لہر کی موت واقع ہوئی

اور انقلابی سوچ موسمِ بہار سے گزر کر موسمِ سرما میں داخل ہوئی۔ بشارالاسد کے خلاف بھی جذبات بہت شدید تھے۔شام کی دیواروں پر لکھ دیا گیا تھا کہ بشار !اب تمہاری باری ہے۔ زین العابدین بن علی اور حسنی مبارک کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔جن نوجوانوں نے حکومت کے خلاف بولنے کی جسارت کی تھی انہیں گرفتار کر کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔اس کے نتیجے میں ملک بھر میں شدید احتجاج کی لہر اٹھی۔مزاحمت کا دائرہ وسعت اختیار کرتا گیا۔بشارالاسد کا اقتدار ختم نہ کیا جا سکا۔اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ حکومتی مشینری نے بشار کا اقتدار بچانے کیلئے عوام کو داؤ لگا دیا۔کم وبیش 38 ہزار افراد قتل کر دیے گئے۔حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کی جسارت کرنے والوں سے انتہائی سختی سے نمٹا گیا۔عوام کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اقتدار بچانے کیلئے بشارالاسد اپنے ہی ہم وطنوں کی زندگی داؤ پر لگا دے گا۔

جہاں جہاں عوامی بیداری کی لہر کو سختی سے کچلا گیا وہاں جہادیوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔اپنے پیاروں کی موت کا مشاہدہ کرنے والوں کے پاس جہادیوں سے ہاتھ ملانے کے سوا چارہ نہ تھا۔ریاستی مشینری انہیں کچھ بھی دینے کو تیار نہ تھی۔ایسے میں شام، لیبیا اور یمن میں جہادیوں نے ریاستی مشینری کے خلاف مورچے سنبھالے تو لوگ ان کے ساتھ ہو لیے۔ رابرٹ ورتھ نے اپنی کتاب ''اے ریج فار آرڈر'' میں لکھا ہے کہ لیبیا، یمن اور شام میں پیدا ہونے والی خرابیوں سے جہادیوں کو پنپنے کا بھرپور موقع ملا۔اسی کے نتیجے میں داعش نے 2014 میں شام اور عراق کے علاقوں میں خلافت کے احیا کا اعلان کیا۔یہ علاقے رقبے میں برطانیہ کے برابر تھے۔یاد رہے کہ سابقہ امریکی خارجہ سیکرٹری ہنری کلنٹن کا انٹرویو میں داعش کی تخلیق، تربیت اور ایجنڈہ کے اعترافات کے بارے میں ہوشربا انکشافات کے بعد کسی اور ثبوت کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی اور جب تک اس خطے میں داعش سے کام لینا تھا، اس سے خوب کام لیا گیا، داعش کی موجودگی میں عراق سے پٹرول کی منتقلی کا کام بھی جاری رہا اور شام کے مخصوص علاقوں کی تباہی کا ٹارگٹ بھی پورا ہوتا رہا اور اب اگلے مقاصد کیلئے اسے افغانستان بھیج دیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ایک خاص منصوبے کے تحت مزاحمت جس قدر کچلی گئی، عالمی میڈیا میں داعش کی مقبولیت کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا جس کے بعد یورپ سے بھی ہزاروں نوجوان داعش سے وابستہ ہوئے، اس طرح مسلم نوجوانوں کا مستقبل تاریک کرنے کے ساتھ ساتھ یورپ میں مختلف پابندیوں کے نفاذ سے غیر معمولی سخت پابندیوں کا دور شروع کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ان حالات میں عرب دنیا میں جمہوریت کے سچ ہونے کی امید ختم کر دی گئی۔جن ممالک میں آمرانہ اقتدار کو ختم کیا گیا، وہاں جمہوری انداز سے منتخب مرسی شہید جیسے رہنماء اور اس کی جماعت کو مسلم انتہا پسند کے طور پر نمایاں کر کے اس کا اپنے ایجنٹ السیسی کے ذریعے تختہ الٹ دیا اور مطلق العنان حکمرانوں نے دوبارہ اقتدار سنبھال کر مغرب کو یقین دلایا کہ وہ مسلم انتہا پسندی کو ختم کر کے دم لیں گے۔یوں مطلق العنان حکمرانوں کو دوبارہ مضبوط ہونے کا موقع مل گیا۔

عرب دنیا میں آمروں کے خلاف تحریک اٹھی تو ''ون ورلڈ آرڈر'' منصوبے کے تحت مغرب نے آمروں کی حمایت ترک کر دی اور بعد کی صورت حال میں انہوں نے کوئی متبادل تلاش کرنے اور اس کی مدد کرنے میں خاطر خواہ دلچسپی نہ لی۔یاد رہے کہ افغانستان میں جونہی سوویت یونین کو شکست ہوئی جس کے نتیجے میں اس کے چھ ٹکڑے ہو گئے اور امریکا دنیا کی واحد سپر پاور بن گیا تو امریکا نے افغانستان اور پاکستان کو جنگی تباہی سے نمٹنے کیلئے نہ صرف تنہا چھوڑ کر واپسی کی راہ لی بلکہ ہمارے ازلی دشمن بھارت کو گود لیتے ہوئے اپنے انعامات کی بارش کرتے ہوئے نہ صرف اس سے سول ایٹمی معاہدہ کیا بلکہ اپنے اتحادی یورپ کا بھی ''ڈارلنگ'' بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔اسی اثناء میں ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے پلان کے مطابق اسلام کو سب سے بڑا دشمن بھی قرار دے دیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ اب پاکستان کے سب سے بڑے معاشی منصوبے ''سی پیک'' کو ناکام بنانے کیلئے نہ صرف پاکستان پر سخت دباؤ جاری ہے بلکہ بھارت کو بھی استعمال کر رہا ہے۔

عرب اسپرنگ کے معاملے پر امریکا کی بے رخی کا یہ نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ عرب دنیا میں آمرانہ طرزِ حکومت کے خلاف اٹھنے والی لہر اب بیٹھ چکی ہے۔شام تباہ ہو چکا ہے۔یہی حال یمن اور لیبیا کا بھی ہے۔مصر میں السیسی نے بے رحمی کے ساتھ اپنے مخالفین کو جیلوں میں نہ صرف قید کر رکھا ہے بلکہ ان پر انسان سوز تشدد بھی جاری ہے اور کسی مرد و زن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی جا رہی۔تیونس بہت حد تک درست حال ہی میں ہے۔شام میں خرابی اس حد تک پھیلی کہ لاکھوں افراد دیگر ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔یمن میں آج بھی لاکھوں بچوں کو غذا کی شدید قلت کا سامنا ہے۔لیبیا کی سرزمین جنگجو گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں لیبیا کے وسائل بیدردی کے ساتھ برباد ہو رہے ہیں۔ معاملات کی شفافیت اور جمہوریت کے اصول پر مبنی اصلاحات کیلئے سوڈان، الجزائر، عراق اور لبنان میں مظاہروں کی نئی لہر شروع ہو چکی ہے۔علاالاسوانی مصری کہتے ہیں کہ انقلابی سوچ کو گلے لگانا کسی سے محبت کرنے جیسا عمل ہے۔انقلابی سوچ سے انسان بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔عرب دنیا میں تیونس واحد مثال ہے، تیونس کے جیسمین ریوولیوشن کی مثال دے کر سمجھایا جاتا ہے کہ کس طور انقلاب کو کامیابی سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔تیونس میں قتل و غارت روکنے پر توجہ دی گئی۔سیاستدان اور عوام نے مل کر ملک و قوم کو تقسیم کرنے والے معاملات کی راہ میں دیوار کھڑی کی۔النہضہ پارٹی نے اتفاقِ رائے کی حکومت یقینی بنانے کی بھرپور کوشش کی اور اس کوشش میں کامیاب بھی رہی۔بردباری اور تحمل پسندی نے تیونس کو مصر اور شام کی طرح بربادی کی طرف جانے سے روکا۔

خوشبو کا سفر!

رشحات قلم زکریا ورک کینیڈا

مرد آنکھ ہے تو عورت بینائی، مرد پھول ہے تو عورت خوشبو (سقراط)

خوشبو اور یادداشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خوشبو کا ایک جھونکا دماغ میں بجلی کی رفتار سے بہت پرانی یا بچپن کی یادوں کے چراغ روشن کر دیتا ہے۔ سخت گرمیوں کے دن اور بارش کا پہلا قطرہ مٹی میں گر کر جو خوشبو پیدا کرتا ہے وہ چشم تصور کے سامنے ایک البیلا منظر پیدا کر دیتا ہے۔ چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو گویا یادوں کی بارات والا منظر اجاگر کر دیتی ہے۔ ماں کی ممتا سے پوچھیں اسے اپنے بچے کی پہچان خوشبو سے کس قدر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خوشبو والی یادداشت دماغ میں سب سے زیادہ دیر تک قائم رہتی ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو ایک ہزار قسم کی مختلف خوشبوئیں پہچاننے کی استعداد سے نوازا ہے۔ تجربات سے یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ بچے خوشبو سونگھنے سے یہ بتلا سکتے ہیں کہ فلاں قمیض ایک مرد نے پہنی تھی یا عورت نے۔ محسوس کرنے کیلئے چھونا اور کسی چیز کی آواز سننے کیلئے کان کا ہونا ضروری ہے جبکہ سونگھنے کیلئے صحت مند ناک کا ہونا لازم ملزوم ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو جب زکام لاحق ہو تو ناک بند ہونے سے نہ صرف غذا بے ذائقہ محسوس ہوتی ہے بلکہ وقتی طور پر انسان سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

آج کل پوری دنیا کرونا وائرس کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہے۔ جس شخص کو یہ وائرس لگ جائے اس کی ایک پہچان سونگھنے اور چکھنے کی حس سے محروم ہو جانا ہوتا ہے۔

انسان کا سانس جڑواں ہوتا ہے ماسوا دو موقعوں پر جب یہ صرف ایک دفعہ آتا ہے۔ یعنی بوقت پیدائش اور بوقت مرگ۔ پیدائش کے وقت سانس اندر جاتا ہے اور موت کے وقت سانس باہر نکلتا ہے۔ ہم دن میں تئیس ہزار چالیس مرتبہ سانس لیتے ہیں۔ ایک سانس لینے کیلئے پانچ سیکنڈ کا وقت درکار ہوتا ہے۔ دو سیکنڈ اندر لے جانے کیلئے اور تین سیکنڈ باہر نکالنے کیلئے۔ سانس نکالنے اور اندر لے جانے کے عمل کے دوران ہم خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔ خوشبو ہمارے اردگرد فضا میں معطر رہتی ہے۔ اور بعض لوگ بدبو کو چھپانے کیلئے اپنے اوپر خوشبو لگا لیتے ہیں۔

کسی چیز کی مثال دینا اگر مشکل ہوتا تو خوشبو کی مثال الفاظ میں بیان کرنا اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ بعض خوشبوئیں میٹھی اور بعض کھٹی ہوتی ہیں۔ خوشبوئیں اتنی قسموں کی ہیں کہ ان کی پہچان جب مشکل ہو جاتی ہے تو ہم ان کو بیان کرنے کیلئے الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ جیسے Delightful, Hypnotic, Sweet, Enchanting, Disgusting, Revolting, Intoxicating, Sickening.۔ فرانس کا بادشاہ نپولین اور اس کے دل کی دھڑکن جوزفین Josephin کو جملہ پھولوں میں سے بنفشہ یعنی وائیولیٹ Violet کے بہت دلدادہ تھے۔ جوزفین دن میں کئی بار اپنے جسم پر وائیولیٹ کے پرفیوم کا سپرے کرتی تھی جو رفتہ رفتہ اس کا ٹریڈ مارک بن گیا۔ 1814ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو نپولین نے اس کی آخری آرامگاہ پر بنفشہ کے پھول لگائے تھے۔ جب زندگی میں آخری بار اس کو جزیرہ سینٹ ہیلینا St. Helena کے زندان میں ڈالا گیا تو اس نے جوزفین کی قبر کی آخری بار جب زیارت کی تو وہاں سے چند پھول اتار کر گلے میں ہار بنا کر ڈال لئے تھے۔ اس ہار کی متاع عزیز کو اس نے زندگی کے آخری سانس تک گلے میں زیب تن کئے رکھا۔

بنفشہ Violet کے پھولوں سے جو پرفیوم بنتا ہے وہ بہت مہنگا ہوتا ہے صرف متمول لوگ ہی اس کو خرید سکتے ہیں۔ اس کی خوشبو زیادہ دیر تک نہیں رہتی ہے۔ پرانے زمانہ میں یہ پھول ایتھنز شہر کا سرکاری نشان تھا۔ یاد رہے کہ سونگھنے کی حس انسان میں سب سے زیادہ طاقتور حس ہے۔ ہمارے ناک کے اندر ایسے receptor cells ہوتے ہیں جن کی تعداد پانچ ملین ہوتی ہے۔ یہ سیل دماغ کے اندر خوشبو کے مرکزی مقام olfactory bulb سے impulses برق رفتاری سے بھیجتے ہیں یہ خلیے صرف ناک کو ہی خاص عطا کئے گئے ہیں۔ دماغ کے اندر ایک نیوران اگر مر جائے تو اس کا احیائے ثانی نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح اگر کان یا آنکھ کے اندر نیوران مر جائیں تو وہ دوبارہ جنم نہیں لے سکتے۔ لیکن

اس کے برعکس ناک کے اندر نئے نیوران ہر تیس دن بعد جنم لیتے رہتے ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی شخص کا نام یاد رکھنا یا اسے پہچاننا قدرے آسان ہوجاتا ہے اس نسبت سے کہ وہ کس قسم کی وہ خوشبو لگاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے ممالک میں گلاب کا عطر جو لگاتے ہیں رفتہ رفتہ وہ انکی پہچان بن جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کینیڈا کے دفاتر میں جو خواتین Poison خوشبو لگاتی ہیں وہ انکی پہچان بن جاتا ہے .

پھولوں میں سے سب سے مقبول خوشبو گلاب کے پھول کی ہے۔ مشرقی ادویات میں گلاب کا عرق تو بطور دوائی کے بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رومن بادشاہ گلاب کے پھول کے عاشق ہوتے تھے۔ گلاب کے پھول کی پتیوں کو وہ بستر پر سجایا کرتے تھے۔ بادشاہ پر پتیاں نچھاور کرنیکا عام رواج تھا۔ گلاب کے پھولوں کے لوگ ہار بڑے اہتمام سے پہنا کرتے تھے۔ عورتوں کے بالوں میں گلاب کے پھول سجاوٹ کے طور پر لگائے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ روم میں پرانے زمانہ میں ایک سرکاری تعطیل ایسی تھی جس کا نام روزالیہ Rosalia تھا۔ ہندو پاکستان میں چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو انسان کو مسحور کر دیتی ہے۔ اس کی خوشبو رات کے وقت میل ہا میل تک پھیل جاتی ہے

ایک مخصوص خوشبو کے ساتھ وابستہ یادداشت شارٹ ٹرم میموری کے خانہ میں مقید نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ لانگ ٹرم میموری کا اس سے مضبوط تعلق ہے جب ہم کسی کو پرفیوم تحفہ کے طور پر دیتے ہیں تو گویا ہم اس کو liquid memory کا لازوال تحفہ دیتے ہیں۔ برطانیہ کے ایک مشہور مصنف جس نے ایک زمانہ لاہور میں ایک اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر گزارا تھا یعنی رڈیارڈ کپلنگ Kipling اس نے کیا خوب کہا ہے

Smells are surer than sights, and sounds to make your heart strings crack.

میکسیکو ملک کے Tzotzil قوم کے باشندے اپنے دیوتاؤں کی رضا کیلئے خوشبودار موم بتیاں اور اگر بتیاں جلاتے ہیں جبکہ امریکہ میں مقامی ریڈ انڈین ڈکوٹا قوم کے باشندے سویٹ گراس اپنے دیوتاؤں کیلئے جلاتے ہیں۔ بھارت میں مندروں کے اندر اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں۔ ملائیشیا کے جزائر کی ایک قوم Chewong کے لوگ روحوں سے بات چیت کرنے کیلئے خوشبو استعمال کرتے ہیں۔ کولمبیا کے ملک میں Desana قوم کے لوگوں کا مذہبی شامان اس نوجوان لڑکی پر خوشبودار تمباکو کا دھواں پھینکتا ہے جس کو حیض آنا شروع ہوتا ہے۔ عرب ممالک میں دعوت کے بعد مہمانوں کو خوشبو لگائی جاتی ہے خاص طور پر عورتوں میں خوشبو کی بوتلیں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور وہ جسم کے مختلف حصوں پر خوشبو لگا لیتی ہیں۔ اس لئے جب کسی سے خوشبو آئے تو سوال کیا جاتا ہے تم کس سے مل کر آئے ہو؟ سوڈان کے ملک میں دولہن اور دوسری عورتوں کو تقریب کے بعد گویا خوشبو میں نہلا دیا جاتا ہے۔

نارتھ امریکہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ Peppermint جیسی خوشبو کے استعمال سے انسان میں کام کیلئے انرجی آجاتی ہے۔ یہاں بعض آفس بلڈنگ ایسی تعمیر کی جاتی ہیں جن میں تازہ ہوا کیلئے کھڑکیاں نہیں کھول سکتے اور ہوا کو ری سائیکل کیا جاتا ہے۔ یا کارپٹ میں سے کئی قسم کے کیمیکل خارج ہوتے ہیں جس سے لوگ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے تھکاوٹ، آنکھوں کا جلنا، کانوں میں جلن وغیرہ۔ اس چیز کا نام sick building syndrom ہے۔ ایسی عمارتوں میں کام کرنیوالے لوگ خوشبو سے بہت بری طرح متاثر ہوتے اس لئے ایسی عمارتوں میں خوشبو لگانا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر یہاں لوگ musk کی خوشبو کو بہت سیکسی سمجھتے ہیں۔ جاپان میں جب صبح کے وقت ورکرز کام پر آتے ہیں تو بعض کمپنیوں میں ان کو مالٹے کی خوشبو لگائی جاتی ہے تاوہ چست ہو جائیں اور دوپہر کے وقت دفاتر میں cedar & cypress کی لکڑی جلائی جاتی تا تھکاوٹ دور ہو جائے۔

خوشبو کی اقسام

یہ سوال کہ خوشبو ہے کیا؟ یہ دراصل کیمکلز کا مکسچر ہے۔ انسان کے ناک میں دس ملین کے قریب ری سیپٹرز موجود ہیں جن کی وجہ سے ہم ہزاروں اقسام کی خوشبوؤں اور بوؤں کی شناخت کر لیتے ہیں۔ کتوں کے ناک میں ایسے 200 ملین ری سیپٹرز ہوتے ہیں۔

خوشبو کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں: منٹی Minty، مشک Musk، کافور Camphor، بدبو جیسے گندے انڈوں کی۔ تیزابی جیسے سرکہ کی خوشبو۔ مغربی ممالک میں عورتوں کا محبوب ترین پرفیوم شنیل نمبر فائیو Chanel No 5 ہے جو 1922 میں ایجاد ہوا تھا۔ امریکہ میں ہر سال مختلف اقسام کی خوشبوؤں کی خرید پر لوگ 24 بلین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ جبھی تو انگلش زبان میں کہتے ہیں کہ money does not stink۔

سورج کی روشنی میں ایسا طاقتور بلیچ bleach ہوتا ہے کہ کپڑے دھو کر دھوپ میں رکھنے سے ان کی بدبو ختم ہو جاتی ہے بلکہ سفید رنگ کے کپڑے تو نکھر کر اور بھی

جاذب نظر ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ خلاء میں جانے والے اسٹرونا ٹ کی چکھنے اور خوشبو سونگھنے کی حس کم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گریویٹی کے باعث خوشبو کے مالی کیول ناک کے اندر اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتے کہ دماغ کو خوشبو کا احساس ہو سکے۔ جب ہم کوئی پر لطف اور مزیدار چیز کھا رہے ہوں تو ہمارا منہ اس مزیدار غذا سے بھرا ہوا ہو تو ہم اپنا منہ بے ساختہ کھول لیتے ہیں اور ہوا کو باہر نکا لتے ہیں۔ ہوا کے باہر نکالنے سے ہمارے منہ کے اندر خوشبو سونگھنے کے Receptors کے قریب سے ہوا گزرنے سے جو خوشبو کا احساس دماغ کو ہوتا ہے اس سے ہمیں غذا اور بھی زیادہ مزیدار لگنے لگتی ہے۔ دیکھنے میں آیا کہ جن لوگوں کو کرونا وائرس لگ جاتی ہے وہ چکھنے اور سونگھنے کی حس سے محروم ہو جاتے۔

خالق کائنات نے انسان کو جو حس سے سب پہلے عطا کی تھی وہ سونگھنے ہی کی تھی اس لئے یہ کہنا مناسب ہے we think because we smell سونگھنے کی حس انسان میں اس قدر غالب ہوتی ہے کہ انسان اس کو بطور ٹیسٹ کے بھی استعمال کرتا ہے۔ منہ میں کسی مشروب یا مضر غذا یا زہر کے جانے سے قبل انسان اس کو سونگھ کر اپنے آپ کو اس کے محفوظ کر لیتا ہے۔ فرج کے اندر سالن یا کوئی اور چیز کافی دیر پڑی رہنے سے خراب ہو جانے کا حدشہ ہو تو اس کا فیصلہ ہم بجائے چکھنے کے سونگھ کر ہی تو کرتے ہیں۔ اچھے کھانے اور باسی پرانے کھانے کی پہچان میں انسانی ناک ایکسپرٹ کا رول ادا کرتا ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں وائن ٹیسٹنگ کا فیصلہ سونگھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی باتوں سے خوشبو آتی ہے۔ اور عاشق صادق سے پوچھو کہ اس کی محبوب کی پہچان کیا ہے تو وہ خوشبو سے ہی تو اس کو پہچانتا ہے۔ بعض عاشق ایسے ہوتے ہیں کہ جب اپنے معشوق سے جدا ہونے لگتے ہیں تو اس سے رومال مانگ لیتے ہیں تا وہ اس کی خوشبو سے ہی اس کی یاد کو تازہ کرتے رہیں۔ اور جب کسی کا کوئی عزیز رشتہ دار راہی ملک عدم ہو جائے تو لوگ یاد کے طور اس کا سویٹر یا کوٹ رکھ لیتے ہیں تا اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے اس عزیز کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

غذا، اور خوشبو

جو لوگ گوشت خور ہوتے ان کے جسم سے جو بد بو آتی ہے وہ سبزی خوروں سے مختلف ہوتی ہے۔ بچے بڑوں کی نسبت مختلف قسم کی خوشبو کے حامل ہوتے ہیں۔ جو لوگ ہسپتال میں کام کرتے ان سے بھی خاص قسم کی بو آتی ہے۔ جسم سے بو آنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے جیسے انسان کی صحت، اس کا پیشہ، غذا جو وہ کھاتا ہے۔ دوائی کا استعمال، اور انسان کی جذباتی حالت وغیرہ۔

تازہ پکے ہوئے کھانے کی خوشبو اور بھوک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انسان باہر سے جب گھر آئے تو تازہ کھانے کی خوشبو سے بھوک دوبالا ہو جاتی ہے اور بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک پتہ نہ چل جائے کہ کیا پکا ہے یا اس کو چکھ نہ لیں تو ان کو چین نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی کھانوں میں دوسرے مصالحوں کے علاوہ زعفران، روح کیوڑہ استعمال کیا جاتا ہے۔ زعفران دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا مصالحہ مانا جاتا ہے۔ یا بعض دفعہ چاولوں میں مالٹوں کے چھلکیں ڈال دی جاتی ہیں تا کہ بھینی بھینی خوشبو آئے اور پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی فرحت پہنچے۔ کھانے کے مزیدار ہونے کا فیصلہ سب سے پہلے خوشبو کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے رہنے والے میتھی کی خوشبو سے خوب واقف ہیں نہ صرف اس کے کھانے کا مزہ آتا بلکہ اس کی خوشبو بھی روح اور جان کو معطر کر دیتی ہے۔ کینیڈا میں بعض ریستوران عمداً ڈبل روٹی کو جلاتے ہیں تا کہ اس کی خوشبو پورے علاقہ میں پھیل جائے۔ ہم ایک دفعہ اپنے دوست کا گھر بھول گئے جب ان کی ہائی رائز بلڈنگ میں پہنچے تو جس گھر سے ہمیں پاکستانی کھانے کی خوشبو آئی ہم جان گئے کہ یہی ہمارے دوست کا گھر ہے۔ سائینسدانوں کے مطابق خوشبو کی حس ہمارے جسم میں چکھنے کی حس کی نسبت دس ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں کسی کافی کی دکان پر جائیں وہاں آپ کو کئی اقسام کی خوشبودار کافی جیسے french vanilla, hazelnut, amaretto, irish cream پینے کو ملے گی۔ مغربی ممالک میں آئس کریم، کیک، پیسٹریاں، بسکٹ، ادویاء، کوک میں خوشبو کیلئے vanilla کا استعمال بہت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ "the way to a man's heart is through his stomach." اس کے ساتھ ساتھ ونیلا کو مغرب میں aphrodisiac بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دنیا میں خوشبو سونگھنے کی نعمت سب سے زیادہ ایک خاتون ہیلن کیلر Helen Keller کو ودیعت کی گئی تھی وہ کہا کرتی تھی کہ مختلف اشخاص کو سونگھنے سے وہ بتلا سکتی تھی کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔

خوشبو اور جانور

جانوروں کو مار کر خوشبو نکالنے کی رسم بہت پرانی ہے۔ جیسے ایشیا کے ہرن کے پیٹ

کے اندر سرخ رنگ کا ایک مادہ ہوتا ہے جس سے مشک کی خوشبو تیار کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایتھوپیا کے ملک میں پائے جانیوالی بلی جو گوشت خور ہوتی ہے اس کے جسم سے جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Civet Cat ہے کینیڈا اور روس میں کے ممالک میں پایا جانے والا جانور یعنی سگ آبی Beaver ہے اس کے جسم جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Castoreum ہے۔

بعض پودوں میں سے اس قدر بدبو پیدا ہوتی ہے کہ چرند پرندان سے دور رہنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ جانوروں میں سے امریکہ اور کینیڈا میں پایا جانے والا جانور Skunk ہے جو دفاع کے طور پر اپنی لمبی دم کے نیچے سے ناقابل برداشت بدبو کا سپرے کرتا جو کئی فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ راقم الحروف کے گیراج میں پچھلے سال رات کے وقت یہ جانور آ گیا مگر باہر نکلنے میں اس کو جب دقت ہوئی تو اس نے سپرے کر دیا مگر خوش قسمتی سے میں کافی دور تھا اس لئے بچ گیا مگر گیراج میں سے بدبو جانے میں کئی ہفتے لگ گئے۔ جس کیمیکل کا یہ سپرے کرتا ہے اس سے بینائی کھونے کا احتمال ہوتا ہے۔ ایک دفعہ یہ سپرے کر دے تو ہوا کے رخ کے مطابق اس کی بدبو کافی دور تک پھیل جاتی اور نہایت دل آزار ہوتی ہے۔

کتوں میں جسمانی بو سونگھنے کی حس اس قدر پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی پہچان اس کو سونگھنے سے کر لیتے ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا میں پولیس کے محکمہ نے بعض ایسے کتے پال رکھے ہیں جو افیون یا چرس چاہے وہ جہاں بھی چھپی ہو اس کو جھٹ سے تلاش کر لیتے ہیں۔ ایسے کتے ائرپورٹس پر یہ کام بلا تمیز ٹھیک ٹھیک کرتے ہیں۔ چوروں یا ڈاکوؤں کو تلاش کرنے کیلئے یا اشیاء کو تلاش کرنے کیلئے بھی کتے استعمال میں لائے جاتے ہیں اور ان کے کسی چیز کو تلاش کرنے کا راز خوشبو یا بدبو میں ہے۔ پولیس اسٹیشن میں ایسے کتوں کے یونٹ کو وہ K-nine Unit کہتے ہیں۔ چمگادڑ اپنے بچے کو اس کی مخصوص جسمانی بو سے پہچانتی ہے۔ خرگوش میں سونگھنے کی اہلیت کا تجربہ تو ہم نے خود کیا۔ ہم نے اپنے گھر کے پچھلے حصہ میں موسم گرما میں گاجر کے بیج لگائے، جب گاجر نکل آئی تو کوئی خرگوش ہر روز ہمارے بیک یارڈ میں آ کر زمین میں دفن گاجر نکال کر کھاتا رہا کیونکہ اس کو اس کی خوشبو دور تک پہنچ جاتی تھی۔

آج سے تیس سال قبل سائینسدانوں کا خیال تھا کہ پرندوں میں خوشبو سونگھنے کی زیادہ اہلیت نہیں ہوتی ہے۔ مگر جدید تحقیق کے مطابق پرندوں میں سے درج ذیل پرندوں کے دماغ میں olfactory lobes اتنے ڈی ویلوپ ہو گئے ہیں کہ وہ سونگھ سکتے ہیں albatross, petrels , the kiwi and the American turkey buzzard۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک پرندہ جس کا نام Starling ہے وہ اپنا گھونسلہ بنانے کا فیصلہ مختلف اقسام کی لکڑیوں سے آنے والی خوشبو سے کرتا ہے۔ اسی طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ کتوں اور گھوڑوں میں اپنے مالک کے خوف زدہ ہونے پر وہ اس کا اندازہ خوف سے پیدا ہونے والی بو سے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ جب خوف زدہ ہوتے ہیں تو ان کی بغلوں سے جو پسینہ خارج ہوتا اس سے بہت ہی ناقابل برداشت بو آتی ہے۔ گدھ نامی پرندے مردہ جسم کی بو میل ہا میل سے سونگھ کر اس کے مقام کا تعین کر لیتے ہیں۔ بعض سمندری پرندے تو نیوی گیشن یعنی اپنے راستہ اور سفر کا تعین ہی سونگھنے سے کرتے ہیں۔ چھپکلی اپنی زبان سے سونگھتی ہے۔ اسی طرح گلہریاں جو غذا زمین کے اندر فوڈ سٹور کرنے میں مہارت رکھتی ہیں وہ seeds and nuts جیسے مونگ پھلی مہینوں پہلے زمین کے اندر دبا دیتی ہیں مگر سردیوں میں بوقت ضرورت وہ اس کا تعین سونگھنے سے لگاتی ہیں کہ ان کو کہاں دفنایا تھا۔

شہد کی مکھی کے اینٹینا کے اندر chemo-receptors موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ خاص خاص پھولوں سے آنے والی خوشبو کی وجہ سے ان پر زیادہ بیٹھتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ خوشبو سونگھ کر ہی تلاش کر لیتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے چھتہ کے قریب برے ارادہ سے جائے تو یہ دفاع کے طور حملہ کر کے ڈنگ مارتی ہیں۔ اس ردعمل پر اس کے جسم سے خارج ہونے والی خاص قسم کی بو آتی ہے جس کو Alarm Pheromone کہتے ہیں یہ بو کیلے سے ملتی جلتی ہوتی ہے اس بو کے ہوا میں پھیلنے پر دوسری مکھیوں کو اطلاع ہو جاتی ہے کہ چھتہ خطرہ میں ہے اور وہ وہاں فوراً آ جاتی ہیں۔ یہ فیرومون کپڑوں پر بھی گر جاتا ہے اس لئے اگر مکھی نے کاٹا ہو تو کپڑوں کو دھو لینا مناسب ہے۔ چھتہ کے اندر مکھیوں کی ملکہ جب سلسلہ جنبانی چلانا چاہتی ہے تو سیکس فیرومون جسم سے خارج کرتی ہے۔ چھتے کے اندر دوسری مکھیاں ملکہ کی پہچان اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے ہی کرتی ہیں۔

مذکر تتلیاں دور سے مؤنث تتلی کا اندازہ سونگھنے سے لگاتی ہیں اگر چہ ان میں سونگھنے کی اہلیت زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ چوہوں میں بھی سونگھنے کی اہلیت شدید قسم کی ہوتی ہے وہ غذا اور مختلف گھروں میں موجود خفیہ راستوں کو سونگھ کر ہی تلاش کرتے ہیں۔ پھر سالمن مچھلی Pacific salmon میں بھی سونگھنے کی حس بہت طاقتور ہوتی ہے۔ سالمن مچھلی اپنا راستہ کس طرح تلاش کرتی ہے یہ دیکھنے کیلئے کینیڈا کے ایک پروفیسر Hasler نے صوبہ برٹش کولمبیا کے پاس بجراوقیانوس میں تین سو مچھلیوں کو پکڑ لیا پھر وہ ان کو اس جگہ پر لے گیا جہاں سے وہ آئیں تھیں ان میں سے نصف

کے ناک روئی سے بند کر دئے گئے اور ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دیکھنے میں آیا کہ جن مچھلیوں کے ناک بند کئے گئے تھے وہ تو گم ہو گئیں مگر باقی اپنی منزل پر بخریت پہنچ گئیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ سالمن مچھلی سمندر میں جس جگہ انڈے دیتی ہے وہ اس کی پہچان پانی کے بہاؤ کے خلاف خوشبو سونگھ کر لیتی ہے۔

الیکٹرانک نوز electronic nose

خطرناک کیڑوں میں سے بھڑ ایسا کیڑا ہے کہ اس کو غذا کی خوشبو میلوں دور تک آجاتی ہے اور پھر وہ بھاگم بھاگ فوڈ پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اس سال ستمبر میں ہم لوگ پارک میں پکنک منانے گئے جوں ہی فوڈ کے بیگ کھولے واسپ آنا شروع ہو گئے۔ گویا ان کا تو میلہ لگ گیا۔ واسپ کو تربیت دینے کیلئے صرف ایک گھنٹہ کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے واسپ کو کیمیکل اور بائیولاجیکل ویپنز (anthrax) تلاش کرنے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی میں سائنسدانوں نے الیکٹرانک نوز ایجاد کیا ہے بجلی کے ناک کی قیمت ایک لاکھ امریکی ڈالر ہے۔ یاد رہے کہ انسانی ناک جب دس منٹ تک خوشبوؤں کو سونگھتا رہے تو اسے چند منٹ کے وقفہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس لیکٹرانک ناک میں یہ کمی نہیں پائی جاتی۔ ایک تجربہ میں جب سوس چیز کی پانچ اقسام کو سونگھنے کیلئے اسے دیا گیا تو اس نے ہر پنیر میں صحیح صحیح فرق بتلا دیا۔

جوں جوں انسان عمر رسیدہ ہوتا جاتا ہے اس میں سونگھنے کی حس کمزور ہوتی جاتی ہے۔ جو لوگ ایلز ہائمر کے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یادداشت کھونے کے ساتھ ساتھ سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ سونگھنے کی حس مردوں کی نسبت عورتوں میں تیز ہوتی ہے۔ خاص طور پر عورتوں میں male pheromones سونگھنے کی اہلیت حیض کے ایام کے دوران تو کم ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد تیز ہو جاتی ہے۔ ایک تجربہ میں بہت سارے مردوں اور عورتوں کو ٹی شرٹ سونگھنے کیلئے دی گئیں، دیکھا گیا کہ ہر عورت نے اپنے شوہر کی قمیض سونگھ کر پہچان لی۔ انسان کے لعاب، بلڈ پلازما اور پسینہ میں ایک خاص قسم کا کیمیکل فیرومون خارج ہوتا جسے androstenol کہتے ہیں بعض خواتین کو یہ بہت بھاتا ہے۔

ایک تجربہ میں چالیس سال کی عمر سے اوپر کے مردوں کو خاص کولون Cologne دئے گئے تو دیکھا گیا کہ ان میں tension, depression, anger, fatigue & confusion کم ہو گئے۔ یہی تجربہ جب عورتوں پر کیا گیا تو اس کے بھی خاطر خواہ نتائج نکلے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ عورتوں میں اس خوشبو کو سونگھنے کی اہلیت ایک ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ مصنوعی پرفیوم 98 فی صد پانی اور الکحل ہوتا ہے۔ صرف دو فی صد تیل اور پرفیوم کے مالی کیول اس میں شامل ہوتے ہیں۔ مغرب میں بننے والے چند ایک معروف پرفیوم Poison, Obsession, My Sin, Opium, Tabu, Youth Dew. ہیں۔ بعض ڈاکٹروں میں سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ مریض سے جس قسم کی بو آرہی ہو اس سے ڈاکٹر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ کس مرض کا شکار ہے۔ سکندر اعظم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اسے بھی پرفیوم اور اگربتی کی خوشبو بہت پسند تھی۔ زعفران بہت ہر دلعزیز تھی۔

خوشبو کے فوائد

سرور کائنات آقائے نامدار ﷺ نے خوشبو کے استعمال کیلئے واضح ارشادات فرما کر ہم سب کو پرکشش بننے کی نصیحت کی ہے۔ احادیث نبوی میں جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر علی الخصوص خوشبو کے استعمال کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ان مواقع پر لوگ آپس میں ملتے ہیں اور محبت والفت کا ذریعہ بنتے ہیں لہذا ان مواقع پر خوشبو کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ بلا شبہ خوشبو انسان میں مقناطیسیت پیدا کرتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی حضرت یوسف کی قمیص سونگھ کر ہی تو ہوئی تھی۔ (یوسف 12:93)

خوشبو کے استعمال سے روح اور دماغ کو فرحت ونشاط حاصل ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں پریشان خیالات اپنے مرکز فکر پر مرکوز ہو جاتے ہیں۔ نماز کی اصل روح توجہ الی اللہ ہے اس لئے عبادات اور نماز میں صفائی ستھرائی اور خوشبو کا التزام ہمیں ہمارے خالق کائنات کی جانب کامل توجہ، یک سوئی کا بہترین ذریعہ مہیا کرتا ہے۔ تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ خوشبو کا استعمال قلب وروح کیلئے مفرح ہے۔ مفرح کی تعریف یہ ہے کہ ایسی دوا جو روح قلبی کو صاف کرے اور بدن میں پھیل کر فرحت وانبساط پیدا کرے اس ضمن میں ابن سینا کہتے ہیں: خوشبودار چیزیں قلب کو فرحت بخشتی ہیں۔ روح قلبی کو خوشبو کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ روح طبعی خوشبو سے قوت اور غذا حاصل کرتی ہے۔ ماہرین اطباء نے فرحت بخش دواؤں سے بہت سے مرکبات تیار کئے ہیں جو کہ نفسیاتی، قلبی، اور دماغی امراض جیسے خفقان، اختلاج قلب، ضعف قلب، فکر وتردد میں نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔ مفرح اعظم، مفرح شیخ الرئیس، مفرح یاقوتی، خمیرہ گاؤزبان، خمیرہ آبریشم۔ خوشبو کا ایک اور بہت ہی اہم فائدہ انسان کے اخلاقی صفات پر اس کی تاثیر ہے۔ ابن سینا کی تصنیف ادویہ قلبیہ کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ ابن سینا پہلے طبیب تھے جنہوں نے اخلاقی صفات جیسے لذت والم، نفرت و محبت، کینہ وعداوت، بغض وعداوت، غیض وغضب، خیر وشر، یعنی تمام امراض نفسانیہ کو جسم انسانی کے اندر موجود اخلاط کی کمیت کا اثر قرار دیا ہے۔ انہوں نے ان امراض نفسانی کے ازالہ اسباب اور تفریح قلب وروح بیان کیے۔ تفریح قلب وروح کیلئے انہوں نے خوشبو کو سرفہرست رکھا ہے۔ ابن سینا نے فرحت حاصل کرنے کیلئے جن دواؤں کا تذکرہ کیا ہے: ان میں بیشتر دوائیں خوشبودار ہیں مثلاً آملہ، ریحان، گل سرخ، زعفران، دارچینی، گل مختوم، مشک، سنبل الطیب، عنبر، عود، صندل، کافور، الائچی خورد وغیرہ۔ ان دواؤں کی افادیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک ان میں خوشبو قائم ودائم رہتی ہے۔

نگاہ بلند

بھارت میں کسانوں کی تحریک!!

(تحریر نغمہ حبیب اللہ خان صاحبہ)

اس بار یعنی سال 2021 میں بھارت نے اپنا یادگار یوم جمہوریہ منایا۔ یوں تو اکثر یہ دن کشمیر کے حوالے سے بھارت کے لیے یادگار بن جاتا ہے لیکن اس بار یہی کام بھارت کے کسانوں نے کیا بلکہ وہ تو وہاں تک پہنچے جہاں بھارت اپنے یوم آزادی کی مرکزی تقریب مناتا ہے اور وزیراعظم ترنگا یعنی بھارت کا قومی پرچم لہراتا ہے اور تقریر کرتا ہے یہی پر جواہر لال نہرو نے بھارتی جھنڈا پہلی بار 15 اگست 1947 کو لہرایا تھا اور اب تک یہ روایت چلی آرہی ہے میری مراد لال قلعہ دہلی سے ہے جہاں اس بار یوم جمہوریہ پر بھارت کے کسانوں نے نشان صاحب لہرایا۔نشان صاحب سکھوں کا مقدس پرچم ہے جسے وہ اپنے گردواروں پر لہراتے ہیں۔

بھارتی پارلیمنٹ جس میں بی جے پی کو واضح اکثریت حاصل ہے نے ستمبر 2020 میں نیا قانون منظور کیا جس کی تین شقوں کے خلاف بھارت بھر میں کسانوں نے احتجاج شروع کیا ان کا مطالبہ ہے کہ پاس کیا گیا نیا قانون ختم کیا جائے اور وہ اس کی منسوخی سے کم کسی چیز کو منظور نہیں کریں گے۔ستمبر سے لے کر اب تک یہ کسان احتجاج کر رہے ہیں اور اس احتجاج کو دنیا کا سب سے بڑا احتجاج بنا دیا ہے۔حکومت اور کسانوں کے درمیان بات چیت کے دس ادوار ہو چکے ہیں لیکن تاحال کوئی حل نکلتا نظر نہیں آرہا ۔کسانوں نے اپنا احتجاج بل کے منظور ہوتے ہی شروع کیا اور سب سے پہلے پنجاب کے سکھ زمینداروں نے اس خطرے کو محسوس کیا اور اس احتجاج کی ابتداء کی اور آج بھی وہ اس احتجاج کا ہراول دستہ ہیں۔ستمبر 2020 میں حکومت نے جب نئے زرعی قوانین منظور کیے تو کسانوں کو اعتراض ہوا کہ ان سے مشورہ کیے بغیر یہ فیصلہ کیا گیا۔پنجاب جو کہ بھارت کی کُل گندم کا بیس فیصد اور چاول کا نو فیصد اکیلے پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ دنیا کا دو فیصد کپاس پیدا کرتا ہے یوں یہاں کے کسانوں کا ملکی زرعی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے وہاں کے کسانوں نے اس بات پر اعتراض کیا کہ منڈی سسٹم پر ضرب لگائی جارہی ہے جس کے نتیجے میں یہ نظام ختم ہو جائے گا اور کسان تاجروں کے رحم و کرم پر آجائیں گے۔اس قانون کے تحت کمیشن ایجنٹس کا کردار بھی ختم ہو جائے گا جو کہ منڈی میں خریدار کے ساتھ رابطے کے ذریعے کے علاوہ انہیں آسان شرائط پر قرضے کی سہولت بھی مہیا کرتے ہیں تاکہ وقت پر خریداری ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ یہ فصل کی مناسب قیمت بھی لگاتے ہیں۔کسانوں نے اس بات کو بھی مسترد کیا کہ فصل کھلے بازار میں اپنے طے شدہ نرخوں پر بیچی جائے بلکہ ان کا مطالبہ ہے کہ حکومت خود پہلے کی طرح کم سے کم نرخ طے کرے یعنی سپورٹ پرائس دے تاکہ تمام کسان اسی مقرر کردہ قیمت پر اپنی فصل فروخت کر سکیں اور یوں منڈی سے باہر کے تاجر ان کی مجبوریوں کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔انہی مطالبات کے ساتھ کسانوں نے اپنی تحریک کو شروع کیا جسے بھارت کے بے لگام اور بے تکے میڈیا نے مختلف نام دیئے۔ایک دلچسپ نام انہیں ''خالصتانی دہشت گرد'' کا دیا گیا اور یوں خود ہی انہیں ایک نئی جہت مہیا کی اور شاید اسی لیے انہوں نے اپنا مقدس جھنڈا یعنی نشان صاحب بھی اٹھا لیا اور لال قلعہ تک پہنچ گئے۔کسانوں نے اپنی ''دہلی چلو'' تحریک بل پاس ہوتے ہی شروع کی اور دہلی کی طرف چل پڑے اور 26 نومبر کو پچیس لاکھ لوگوں نے اس احتجاج میں حصہ لیا۔پولیس نے ان کسانوں کے خلاف کاروائی کی ،واٹر کینن کے ذریعے ان پر پانی کی تیز دھاریں چھوڑی گئیں لاٹھی چارج بھی ہوا لیکن پھر بھی دو سے تین لاکھ کسان دہلی تک پہنچ ہی گئے اور دھرنا دیا اب اس احتجاج میں صرف پنجاب اور ہریانہ کے کسان نہیں تھے بلکہ پورے بھارت سے

کسان اس میں شامل ہوتے گئے۔ چودہ ملین ٹریکٹر ڈرائیور بھی اس مارچ میں شامل ہو گئے۔ دسمبر کے شروع میں حکومت اور کسانوں کے درمیان بات چیت ناکام ہونے کے بعد ملک گیر احتجاج کیا گیا۔ ہریانہ میں کسانوں نے ٹریفک روکے بغیر ہائی وے اور ٹول پلازہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کاروائی کے نتیجے میں حکومت نے بل میں کچھ ترامیم کیں جسے کسانوں نے نامنظور کر دیا۔ سپریم کورٹ نے حکومت کو بل پر عملدرآمد روکنے کو کہا جسے حکومت نے نہ مانا اور کسانوں نے بھی اعلان کیا کہ اگر انہیں واپس جانے کو کہا جائے گا تو وہ ایسا نہیں کریں گے بلکہ اپنا مطالبہ جاری رکھیں گے کہ بل کو منسوخ کیا جائے۔ کسانوں نے 28 جنوری کو مزید مطالبات شامل کرتے ہوئے حکومت سے کہا کہ وہ پارلیمنٹ کا خصوصی اجلاس بلائے جو اس قانون کو ختم کرے، حکومت کم سے کم قیمت خود مقرر کرے اور فصل خود خریدے، روایتی خریداری کا نظام برقرار رکھا جائے، کم سے کم قیمت پیداواری قیمت سے 50 فیصد زیادہ رکھی جائے، ڈیزل کی قیمت کسانوں کے لیے 50 فیصد کم رکھی جائے، فصل کے بقایا جات جلانے پر سزا اور جُرمانہ ختم کیا جائے۔ یوں ابتدائی مطالبات کے ساتھ مزید مطالبات بھی شامل ہو گئے ہیں۔

کسان تحریک اتنے بڑے پیمانے پر بغیر کسی ایک لیڈر کے چلائی جارہی ہے جس سے اندازا ہوتا ہے کہ ان کا کوئی سیاسی مقصد نہیں۔ بغیر لیڈر کے یہ تحریک پنجاب سے نکل کر پورے بھارت میں پھیلی اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ کینیڈا، امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا بلکہ جہاں جہاں بھارتی اور خاص کر سکھ موجود ہیں وہاں وہاں احتجاج کیا گیا۔ اس بل کے بارے میں ایک نکتہ نظر یہ بھی ہے کہ بھارت کی بہت بڑی زراعت پنجاب میں ہورہی ہے اور یا دلت اور اچھوت اس پیشے سے منسلک ہیں جن کے لیے بھارتی معاشرے اور حکومت دونوں میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ سکھ کسانوں میں بھی ایک بڑی تعداد ان کی ہے جو دلت سے سکھ ہوئے لیکن وہ بطور سکھ دلت ہندو سے معاشرتی طور پر بہت بہتر حالات میں ہیں لیکن ''ہندوتا'' کی حامی حکومت کو نہ تو سکھوں سے کوئی ہمدردی ہے نہ دلتوں سے ورنہ اقوام متحدہ کہ درخواست پر ہی ان کے مطالبات پر غور کرلیتی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں کیا گیا کیونکہ اس سے بھارت کی اونچی ذات کا ہندو متاثر نہیں ہورہا۔ یہ احتجاج اور ان کے مطالبات بڑھتے ہی جا رہے ہیں جو یقیناً بھارت سرکار کے لیے مشکلات کا باعث بنیں گے۔ ہیں۔

مولوی ایک جماعت بن کر رہ گئے!!

جسٹس جاوید اقبال نے اپنی کتاب 'جہان جاوید' میں لکھا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے پاکستان میں ہمارا ادب تعمیری ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی بھی ہونا چاہیے۔ جو قوم روحانی طور پر تنزل پذیر ہو چکی ہو، وہ مختلف جماعتوں میں بٹ جایا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم مسلمانوں میں مولوی ایک جماعت بن کر رہ گئے ہیں۔ اس جماعت کا مقصد نکاح خوانی، امامت کرانا، جنازے پڑھانا ہے۔ جہاں یہ جماعت سیاسی اقتدار حاصل کرے وہاں اس کا کام بجائے اجتماع امت کا ماحول پیدا کرنے کے قوم میں تفرقہ اندازی ہے۔ چنانچہ یہ جماعت بھی اتنی ہی نقصان دہ ہے، جتنے اشتراکی مبلغ۔ علامہ اقبال ان کے متعلق درست فرما گئے ہیں

دینِ	کافر	فکرِ	تدبیر	و جہاد
دینِ	مُلا	فی	سبیل	اللہ فساد
زاں	سوئے	گردوں	دلش	بیگانہ اے
نزدِ	او	ام	الکتاب	افسانہ اے

جنرل ایوب اور مولوی تمیز الدین اب بھی موجود ہیں؟!

(کالم نگار: سید سردار احمد پیرزادہ)

روایت ہے کہ ریاستی اداروں کی سیاست میں مداخلت کی داغ بیل جنرل ایوب خان نے ڈالی۔ اُن کی ایک حسرت یہ بھی تھی کہ ملک میں پارلیمانی جمہوریت کی جگہ صدارتی نظام حکومت لایا جائے۔ ایک دفعہ اِسی موضوع پر اُن کا ٹاکرا مولوی تمیز الدین سے ہوگیا۔ جنرل ایوب مولوی تمیز الدین کو اپنے دلائل اور آڑے ہاتھوں سے لینے کے باوجود اپنا ہم خیال نہ بنا سکے لیکن جنرل ایوب مولوی تمیز الدین کے اپنے نظریے پر یقین کامل اور ان کی بیباک حرات کی برجستہ تعریف کرنے پر بھی مجبور ہوئے۔ ذیل میں جنرل ایوب اور مولوی تمیز الدین کے اُس دلچسپ مکالمے کا مختصر اقتباس جنرل ایوب کی ہی زبانی پڑھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ 6 دہائیاں گزرنے کے بعد بھی یہ بحث اب تک ختم کیوں نہیں ہوئی؟ ''ایک دفعہ میں نے مشرقی پاکستان میں چند آدمیوں کو ملاقات کے لیے بلوایا۔ ان میں مولوی تمیز الدین اور نورالامین بھی شامل تھے۔ میں نے ان سے آئینی مسائل کے تمام پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا۔ مولوی تمیز الدین نے کہا میں صدارتی نظام حکومت کے سخت خلاف ہوں۔ میں نے پوچھا آپ کو کیا اعتراض ہے؟ وہ بولے مجھے یہ اعتراض ہے کہ مسلم تاریخ میں اکثر و بیشتر شخصی حکومت نظر آتی ہے اور ہمارا اپنا سیاسی تجربہ بھی اسی قسم کا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم آزادی اور جمہوریت کے باوجود پھر اسی طرف لوٹ جائیں گے۔ میں نے کہا اگر یہ بات مسلمانوں کے خون میں رچی ہوئی ہو تو آپ اسے کیسے نکال سکتے ہیں؟ بہرصورت کیا آپ ایک مطلق العنان حکمران اور منتخب شدہ صدر میں فرق محسوس نہیں کرتے؟ کیا ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صدر نہیں ہوتا اور کیا امریکہ میں جمہوری حکومت نہیں ہے؟ پھر اس ملک میں جہاں 10 یا 15 سیاسی پارٹیاں موجود ہیں، جن میں مسلم لیگ (اُس وقت مسلم لیگ ایوب خان کی فیورٹ جماعت تھی) کو چھوڑ کر نہ تو کسی کا کوئی قومی نقطہ نگاہ ہے اور نہ ہی کوئی قومی منصوبہ، آپ پارلیمانی نظام جمہوریت کو کیسے قائم رکھ سکتے ہیں؟ ان کی رائے تھی کہ ہمیں ایسا قانون بنا دینا چاہیے کہ ملک میں دو سے زیادہ پارٹیاں نہ بننے پائیں۔ میں نے جواب دیا تمیز الدین صاحب **اگر آپ قانون کے ذریعے لوگوں کے ضمیر پر قابو پا سکتے ہیں تو مسلمانوں کو ایک ہی فرقے کا پیرو کیوں نہیں بنا لیتے؟ جبکہ مسلمانوں میں کئی فرقے ہیں۔ یاد رکھیے کہ آپ قانونی تدابیر سے لوگوں کے ضمیر کو قابو میں نہیں کر سکتے۔** وہ بولے میں پھر بھی پارلیمانی نظام ہی کو پسند کروں گا۔ مایوس ہو کر اور زچ آ کر میں نے ان کو ذرا آڑے ہاتھوں لیا۔ بڑے میاں نے برا نہ مانا۔ نورالامین خاموش رہے۔ میرا خیال ہے وہ اس مباحثے سے الگ رہنا چاہتے تھے لیکن مولوی تمیز الدین بڑے یقین کے ساتھ بولتے رہے اور یہ ان کا سچا خیال تھا، گو غیر حقیقت پسندانہ ہی سہی۔ میں ان کی حرات کا ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ اسی طرح ایک زبردست بحث چھڑ گئی کہ پارلیمانی نظام حکومت اور صدارتی نظام حکومت میں سے کون سا بہتر ہے۔ مولوی تمیز الدین کی طرح بعض کا کہنا تھا کہ پارلیمانی نظام کو کافی مہلت دیئے بغیر رد کر دیا گیا ہے۔ غالباً ان کا مطلب یہ تھا کہ اس نظام کی رسی اتنی دراز نہ ہونے پائی کہ اچھی طرح ملک کا گلا گھونٹ دیتی۔ سچ یہ ہے کہ اگر ہم پانچ دس برس اور اس راستے پر چلتے رہتے تو ہمارا حدا ہی حافظ تھا۔ بات یہ ہے کہ پارلیمانی نظام اسی وقت پنپ سکتا ہے جب ملک میں بڑی منظّم جماعتیں ہوں اور ان کی تعداد تھوڑی ہو اور ان میں سے ہر ایک کوئی واضح سماجی اور اقتصادی منصوبہ رکھتی ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں اگر ملک میں پانچ یا دس پارٹیاں ہوں تو حرج ہی کیا ہے، ہم ملی جلی حکومت تو بنا سکتے ہیں لیکن کیا یہی ملک کی بہترین خدمت ہے؟

کیا ملی جلی حکومتیں ایک ترقی پذیر ملک میں مضبوطی کے ساتھ بڑے بڑے فیصلے کر سکتی ہیں اور کیا یہ فیصلے کسی صورت میں ملکی روایات اور رسم و رواج کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں؟ ایک ذمہ دار حکومت رائے عامہ کی متلون مزاجی کی جکڑ بند میں نہیں رہ سکتی۔ آپ کو رائے عامہ سے آگے بڑھ کر سوچنا پڑتا ہے اور لوگوں کو اپنی راہ پر لانا پڑتا ہے۔ میرے سامنے دو مقصد تھے۔ قوم کو متحد کرنا اور ملک کو ترقی دینا۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک مضبوط نمائندہ اور دیرپا حکومت اور ملکی ترقی کے منظّم منصوبوں کی ضرورت تھی۔ قوم کو عزم راسخ کے ساتھ سائنس اور فنی مہارت کے عہد میں داخل ہونا تھا اور اپنے عقیدے اور نظریہ حیات کے لازمی ارکان پر بھی مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا تھا۔

فیلڈ مارشل
سابق صدر
پاکستان
جنرل ایوب
خان

یہ کہہ دینا آسان ہے کہ ہمیں ماضی کے ترقی میں رکاوٹ ڈالنے والے عوامل کو دور کر دینا چاہیے لیکن عملی زندگی میں ان عوامل سے بچنا دشوار امر ہے۔ پارلیمانی جمہوریت کیسے پنپ سکتی ہے جب ملک میں بڑے بڑے زمیندار موجود ہوں جو ہزاروں رائے دہندگان پر اثر ڈال سکتے ہوں؟ پارلیمانی جمہوریت کیسے پنپ سکتی ہے جب یہاں پیروں فقیروں کی بہتات ہو جو لوگوں کو ورغلا سکتے ہوں؟ پارلیمانی جمہوریت کیسے پنپ سکتی ہے، پائیدار حکومت کیونکر بن سکتی ہے جب یہاں کئی سیاسی جماعتیں ہوں جن میں سے کسی کا بھی کوئی قومی فریضہ نہ ہو؟ پارلیمانی جمہوریت کیسے پنپ سکتی ہے جب یہاں ابتدائی تعلیم عام نہ ہونے پائے؟ ایک نیا نظام قائم کرنے کے سلسلے میں یہ بڑی آسان بات ہے کہ کوئی انگریزی امریکی یا روسی کتاب اٹھالی جائے اور کہا جائے کہ دیکھو ان لوگوں نے یوں کیا تھا ہم بھی کیوں نہ ایسا ہی کریں۔ سوال یہی ہے کہ کیا یہ کوشش کامیاب ہوگی؟ کیا اس سے لوگوں کی دلجمعی ہو سکے گی؟ کیا وہ اسے اپنا کہہ سکیں گے؟ اگر نہیں تو پھر یہ ساری کوشش بیکار ثابت ہوگی۔

ایک دفعہ مجھ سے پوچھا گیا کہ میرے پیش کردہ آئین کی بنیادی باتیں آپ کو کس کتاب سے حاصل ہوئیں؟ میں نے کہا پاکستان کی کتاب سے۔ اس کی بنیاد وہ علم ہے جو میں پاکستان کے عوام اور پاکستان کی خاکِ پاک کے بارے میں رکھتا ہوں"۔

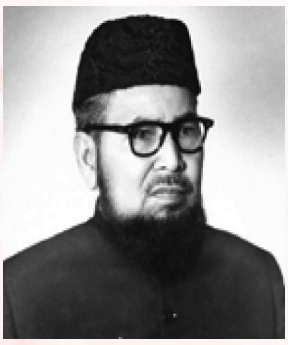

مشرقی پاکستان سے تعلق
رکھنے والے سابق اسپیکر
قومی اسمبلی مولوی تمیز الدین

کیا آپ جانتے ہیں؟

مبلغ کو پہلے خود اُس تعلیم پر عمل کرنا چاہیے جس تعلیم کی وہ تبلیغ کرتا ہے۔

بڑوں اور ذمہ داروں کے چھوٹے جرائم بھی بڑے ہوتے ہیں جب انہیں چھوٹ دے دی جائے تو معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

منافق قوم یا افراد کبھی خیر کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ منافقت کا نتیجہ ہمیشہ عذاب ہوتا ہے، مگر منافقت کے اندھیرے عذاب کا احساس نہیں ہونے دیتے۔

انسانیت کا تصور تبھی مکمل متصور ہو سکتا ہے جب جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی آسودگی کے لیے بھی تگ و دو کی جائے۔

جو قومیں یا انسان سچائی قبول کرنے کی بجائے سچائی کی تکذیب کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں، وہ کبھی امن و راحت کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

برائے جلد۔خارش، ایگزیما، چنبل (5)

وَإِذَا
مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِيْنِ

جلد، خارش، ایگزیما، چنبل، زخم، مسے (5)

اگر خارش ہو اور کمر پر سُرخ دانے نکلتے ہوں۔ ڈیجی ٹیلس

اگر جلد کے امراض کو دبانے سے دماغی عوارض پیدا ہو جائیں۔ کاسٹیکم

اگر عورتوں کے چہرے پر بھورے ملّ نکل آئیں تو کولوفائیلم بہترین دوا ہے۔بعض دفعہ مردوں میں بھی کام آتی ہے۔اس کے استعمال سے کبھی تو اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ چہرہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور تلوں کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔اگر چہرے کی جلد کا رنگ بدل جائے اور سیاہی سے چھا جائے تو بھی کولوفائیلم مدد دیتی ہے۔چہرہ کی جلد نکھارنے کے لیے اولین دوا آرسنک سلف فلیوم ہے۔اس کے علاوہ سکیل کور کی مریضہ عورتوں میں سکیل کور ہی رنگت صاف کر سکتی ہے۔

(کولوفائیلم کے استعمال کے وقت کافی سے پرہیز ضروری ہے)

اگر جسم پر مسے ہوں جو اگر باریک باریک اور نرم نرم ہوں تو تھوجا اور میڈورائینم مفید ہیں۔لیکن اگر بہت بڑے بڑے اور بکثرت مسے ہوں تو کاسٹیکم اور نائٹریکم زیادہ مفید ہیں۔(کاسٹیکم کے مسے چہرے اور ناک پر نکلتے ہیں اگر ناک پر موٹا سا مسہ نکل آئے تو یہ کاسٹیکم کی خاص نشانی ہے)

جلد پر اُبھار، صاف شفاف جلد پر پہلے خارش ہوتی ہو اور پھر سوزش پیدا ہو جائے، سخت کھجلی کرنے سے دانے یا آبلے بنیں اور ان کے چھیلنے سے خون نکل آتا ہو تو ہومیو دوا لیومینا مفید ثابت ہوتی ہے۔

ہر قسم کی خارش، برص اور جلد پر آتشک کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دانوں چنبل، کیل مہاسوں اور ایسے زخموں کے لیے جو مندمل نہ ہوں جن میں سخت قسم کی جلن اور تکلیف ہو کے لیے آرسنک سلفیوریٹم فلیوم (اس میں دردیں شدید اور ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں)

جلد اور پیٹ کی علامتیں ایک دوسرے سے ادلتی بدلتی رہتی ہوں۔ کروٹن

ہتھیلیوں کی خارش کے لیے (جلن کم ہوتی ہے) اینا گیلس۔اور ہاتھ کی پُشت کی خارش کے لیے رسٹاکس مفید ہے (جلن زیادہ ہوتی ہے)

اگر جلد پر رطوبت بھرے چھالے نکلیں، خارش کے ساتھ جلن بھی ہو، جلد صحت یاب ہونے کے بعد پھر وہیں دوبارہ خارش ہوتی ہو اور بہت ضدی اور چمٹ جانے والے ایگزیما ہوتا ہو تو کروٹن بہت مفید ہے۔(رسٹاکس میں جہاں مرض ٹھیک ہو جائے دوبارہ حملہ نہیں ہوتا اسکے علاوہ کروٹن کی نسبت رسٹاکس کے چھالے بڑے ہوتے ہیں)

اگر رونے والا Weeping ایگزیما ہو جائے۔رسٹاکس (ایسے ایگزیما میں پانی بہت بہتا ہے۔ایک ہزار طاقت میں رسٹاکس دینا مفید ہے۔دوا کے استعمال سے ایگزیما زیادہ ہو جاتا ہے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے) ایک سکھ دوست نے اس عاجز کو بتایا کہ اس کی والدہ کے ہاتھوں پر اس طرح کا بہنے والا ایگزیما ہے ہر طرح کا علاج کیا ہے شفا نہیں ہوتی۔ ہفتے میں ایک بار رسٹاکس ایک ہزار استعمال کروانے کا اسے کہا۔سکھ دوست نے جرمنی سے دوا خرید کر بھارت اپنی والدہ کو بھیجی۔کافی عرصے بعد وہ سکھ دوست ملا، مجھے گلے لگا کر بتایا کہ میری ماں کئی برس سے نہ آٹا گوندھ سکتی تھی نہ روٹی بنا سکتی تھی، اب وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔

اگر جلد کی تکالیف ٹھنڈے پانی، ٹھنڈے موسم اور ٹھنڈی ہوا سے بڑھیں (سوائے منہ کے) تو ہومیو دوا کلیمٹس ہوگی۔

ہاتھوں کی جلد سخت، خشک اور موٹی ہو جائے، سخت خارش ہو اور مریض بے چینی کی وجہ سے سو نہ سکے۔تو سسٹس دوا مفید ثابت ہوتی ہے۔

اور اگر جلد کے نیچے خارش ہونے کے نتیجے میں جلد میں بے چینی سی اور کچھ رینگنے اور چیونٹیاں چلنے کا احساس ہوتا ہو جس سے مریض کے دل کو بھی گھبراہٹ ہوتی ہو اور وہ بار بار دل پر ہاتھ مارتا ہو تو سسٹس دوا دینے سے آرام آجاتا ہے۔وقفہ وقفہ سے لمبا عرصہ تک دینا چاہیے۔

(زیادہ خارش کرنے سے دبا ہوا مرض باہر آجاتا ہے اور چھالے بن جاتے ہیں جنہیں چھیلنے سے خون بہنے لگتا ہے)

جلد پر ٹھنڈک کا احساس ہو اور ایک ہاتھ ٹھنڈا اور ایک گرم ہو۔ چائنا

جلد پر گلابی نشان جگہ جگہ پڑ جاتے ہوں اور چھپاکی کا رجحان ملے۔ یا جلد سُرخ، سخت متورم، چمکیلی اور انتہائی زود حس ہو ایسی کہ کپڑے کا لمس تک نہ برداشت کر سکے۔ کالچیکم

اگر جلد اور اندرونی جھلیوں میں زود حسی ہو کوکس (چھونے پر ایسے سکڑتی ہو جیسے چھوئی موئی کے پودے کے قریب جائیں تو سکڑ جاتا ہے)

اگر جلد خشک اور زردی مائل ہو۔ چیلی ڈونیم

اگر جلد کی زود حسی ناقابل برداشت ہو (عجیب قسم کی سنسناہٹ اور بے چینی کی کیفیت ہوتی ہے) کافیا اور اس کے قریب تر دوا زنکم میٹیلیکم ہے۔

اگر قدموں کی چاپ سُن کر جلد پر اس گھبراہٹ سے خارش کے دانے نمودار ہو جائیں۔ کافیا (یہ دانے اچانک بنتے ہیں اور اچانک ختم ہو جاتے ہیں) چہرہ متورم اور جلد پر سنسناہٹ ہوتی ہو اور دانے بہت سُرخ اور پسینے والے ہوں تو بھی کافیا مفید ہے۔

جلد پر کمزوری اور بے چینی پیدا کرنے والی دُکھن ہو۔ آرنیکا

مچھلی کی طرح جسم پر پتلے پتلے چھلکے سے نکل آئیں جو بڑے بھیانک ہوتے ہیں اگر ان میں بدبو ہو تو آرسینک اور سورائینم دونوں دوائیں ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ آرنیکا بھی مفید ہے۔

ہر قسم کے جلدی امراض کے لیے بوفو مفید ہے۔ (جنسی بے راہروی کی وجہ سے ہونے والی خارش میں مفید ہے)

جلد پر خُشکی، بے رونقی ہو اور جلد زرد پڑ جائے تو چینینم آرس بہت مفید ہے۔

اگر حجامت بنوانے کے بعد خارش شروع ہو جائے۔ (کیونکہ حجامت بنواتے وقت اعصاب میں تناؤ اور زود حسی پیدا ہو جاتی ہے) تو سیکوٹا بہت مفید ہے۔

اگر چہرے اور ہاتھوں پر مٹر کے دانوں کے برابر اُبھار بن جائیں۔ سیکوٹا

اگر ایگزیما میں خارش نہ ہو بلکہ دانوں پر لیموں کے رنگ کا سخت کھرنڈ بن جائے تو بھی ہومیوداسیکوٹا ہوگی۔

اگر منہ کے اردگرد اور ہونٹوں کے پاس زردی مائل یا نیلے گول گول داغ بن جائیں تو ہومیوداسائنا ہوگی۔

اگر جلد پر چھوٹے چھوٹے دانے نکل آئیں جیسے رونگٹے کھڑے ہو جانے پر ہوتا ہے یا اگر مُرغابی کے پَر نوچ لیے جائیں تو اس کی پر جیسے دانے نمایاں ہوتے ہیں یہ دانے بھی اِن کے مشابہ ہوتے ہیں جسے انگریزی محاورے میں GOOSE FLESH کہا جاتا ہے کے لیے کیڈمیم سلف یا کپسیکم مفید ہیں۔

جلد کے کینسر اور لیوپس LUPUS کے لیے آرسنک آئیوڈائیڈ مفید ہے۔

LUPUS یعنی چہرے کے دِق کے لیے جو قریباً لاعلاج ہے کے لیے سسٹس اکیلی کافی ثابت ہو سکتی ہے۔

لیوپس Lupus جسے لاعلاج مرض کہا جاتا ہے کے لیے ہائیڈروکوٹائل بھی مفید ہے۔

کالی سلف سے لیوپس کے مریض مکمل شفا پا سکتے ہیں۔

جلد کی ضدی خارش کے لیے Dolichs ڈولیکوس بھی مفید ہے۔

اگر سورائس ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوے پر نمایاں ہو تو ہائیڈروکوٹائل مفید ہے۔ سورائس کے بغیر بھی اگر ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوں پر خارش ہو تو بھی ہائیڈروکوٹائل نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔

زخموں کے ناسور بن جانے یا گنگرین میں تبدیل ہو جانے کے لیے ہومیوداوا آرسنک آئیوڈائیڈ مفید ثابت ہوتی ہے۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد حد مت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔ کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیو فزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔ رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

شمائل نبوی ﷺ (آنحضرت ﷺ کی رویاء وکشوف اور پیشگوئیاں)

قسط 12

(تحریر و تحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔لندن)

سیدالانبیاء حضرت محمد ﷺ کو ''بشیر و نذیر'' کے القابات سے نوازا گیا ہے۔
آپ ﷺ کو قرآن شریف میں بیان فرمودہ بشارات اور انذار کی تفاصیل رؤیاء و کشوف کے ذریعے عطا فرمائی گئیں اور اُمتِ مرحومہ میں قیامت تک رونما ہونے والے واقعات کی خبریں عطا کی گئیں۔

ایک دفعہ نماز کسوف کے دوران ہونے والے کشفی نظارہ کے بارہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بھی اس جگہ آئندہ کے وہ تمام نظارے کروائے گئے جن کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جنت و دوزخ کی کیفیات بھی دکھائی گئیں''۔اس واضح اور جلی کشف میں بعض نعماء جنت اپنے سامنے دیکھ کر آپ ﷺ انہیں لینے کیلئے آگے بڑھے اور جہنم کی شدت و تمازت کا نظارہ کر کے پیچھے ہٹے۔

(بخاری کتاب النکاح باب الابکار:4688)

آپ ﷺ کو قرآن میں بیان فرمودہ بشارات اور انذار کی تفاصیل رویاء و کشوف کے ذریعے عطا فرمائی گئیں اور اُمت میں قیامت تک رونما ہونے والے واقعات کی خبریں عطا کی گئیں۔خواب انسان کی باطنی کیفیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کا جائزہ لینے کے لئے:

(1) سب سے اہم آپ ﷺ کے رؤیاء وکشوف کا مضمون ہے۔(2) دوسرے رؤیاء و کشوف کے ذریعہ خوشخبریوں کا عطا ہونا اور حدا کا بندے سے کلام کرنا محبت الٰہی کی نشانی ہے۔(3) جن رؤیاء و کشوف کا تعلق آئندہ زمانے سے ہو، ان کا کثرت سے ہو بہو پورا ہو جانا صاحب کشف و الہام کی سچائی کا نشان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق فرماتا ہے:۔

عٰلِمَ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَداً ۔ (سورۃ جن:27)

یعنی غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔اس اظہار غیب کا ذریعہ وحی والہام اور رؤیاء و کشوف ہی ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیاً اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلاً فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَاءُ اِنَّہُ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ ۔ (الشوریٰ:52)

یعنی اور کسی آدمی کی یہ حیثیت نہیں کہ اللہ اس سے وحی کے سوا یا پردے کے پیچھے بولنے کے سوا کسی اور صورت سے کلام کرے یا (اس کی طرف فرشتوں میں سے) رسول (بنا کر) بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ کہے بات پہنچا دیں، وہ بڑی شان والا (اور) حکمتوں کا واقف ہے۔ رؤیاء و کشوف کے بارہ میں قرآن شریف سے یہ اصول بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض انبیاء کی زندگی میں پورے ہو جاتے ہیں اور بعض وفات کے بعد۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ (الرعد:41)، یعنی اور جس (عذاب کے بھیجنے) کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں اگر ہم اس کا کوئی حصہ تیرے سامنے بھیج کر تجھے دکھا دیں (تو تُو بھی ان کا انجام دیکھ لے گا) اور اگر (اس گھڑی سے پہلے) تجھے وفات دے دیں (تو تجھے مابعد الموت اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کیونکہ) تیرے ذمہ (ہمارے حکم اور پیغام کا) صرف پہنچا دینا ہے اور ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ان رؤیاء و کشوف کی مختلف انواع و کیفیات اور واقعات میں سے بطور نمونہ چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔یہاں آپ ﷺ کی ظاہری رنگ میں پوری ہونے والی رؤیاء صادقہ ؛تعبیر طلب رؤیاء اور ان کا پورا ہونا ؛تعبیر طلب رؤیاء کا کسی اور رنگ میں پورا ہونا ؛رؤیاء کے پورا ہونے پر ان کی تعبیر کا کھلنا ؛پیشگوئی کا خلیفہ یا اولاد کے حق میں پورا ہونا، کے عناوین کے تحت احادیث میں بیان فرمودہ واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف: ظاہری رنگ میں آپ ﷺ کی زندگی میں پوری ہونے والی رؤیاء صادقہ :

1۔ حضرت عائشہؓ سے شادی: آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ شادی سے قبل تصویر دکھا کر بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی بیوی ہے۔ ظاہری حالات میں ایسا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ آپ دونوں کی عمروں میں چالیس سال سے زیادہ کا فرق تھا۔ اس پیشگی غیبی خبر پر کامل ایمان کے باوجود آنحضور ﷺ نے کمال احتیاط سے اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس رؤیاء کا ظاہری رنگ میں پورا ہونا ہی مراد ہے تو وہ خود اس کے سامان پیدا کر دے گا''۔ بظاہر ناموافق حالات کے اللہ تعالیٰ نے اس رؤیاء کو پورا فرمایا اور حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے عقد

میں لا کر اُمّ المؤمنین کا اعزاز ملا۔

(بخاری کتاب الجمعہ باب اذا فتلت الدابۃ فی الصلوٰۃ:1134)

2 ۔مکی دور میں فتح بدر کی پیشگوئی: نبی کریم ﷺ مکہ میں ہی تھے اور مسلمان انتہائی کمزور، مظلوم و مقہور تھے۔ چنانچہ ایک طرف آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو پہلی قوموں کی قربانیوں کی مثالیں دے دے کر صبر کی تلقین فرماتے تھے، جب کہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے تازہ نشان بھی مسلمانوں کے لئے انشراح صدر اور مضبوطی ایمان کا موجب ہوتے تھے، مثلاً معجزہ شقِ قمر وغیرہ۔ چاند عربوں میں حکومت کا نشان سمجھا جاتا تھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے دکھانے میں یہ بلیغ اشارہ بھی تھا کہ قریش کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور ان کی وحدت ملی پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔ سورۃ قمر، جس میں واقعہ شقِ قمر کے بارہ میں ذکر ہے، اسی میں مسلمانوں کے مقابل پر کفار کے ایک بڑے گروہ کی پسپائی کا ذکر ہے، جیسے فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: 46) یعنی (اس روز قریش کی) جمعیت پسپا ہوگئی اور یہ (اور ان کے لشکر) پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ کمزوری کے اس زمانے میں دشمن اس پیشگوئی کو دیوانے کی ایک بڑ کہہ سکتے تھے اور اسی لئے آپ ﷺ پر ساحر و مجنون کا الزام لگاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے جس شان سے ان وعدوں کو پورا فرمایا، اس پر اہلِ مکہ بھی انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔

چنانچہ بدر کے موقع پر اس پیشگی وعدہ اور فتح کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا: وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (الانفال: 8) یعنی اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تم کو دیا جائے گا۔ پھر بھی جب میدانِ حبک (بدر) میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قریش کے تجارتی قافلہ کی بجائے ایک مسلح لشکر جرار ہے جو کمزور نہتے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہے، تو طبعاً فکر دامنگیر ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی شانِ غنا سے ڈرتے ہوئے اور اپنی کمزوری پر نظر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دعاؤں کی حد کر دی۔ آپ ﷺ بدر کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کے وعدوں کا واسطہ دے دے کر اتنے الحاح سے دعا کر رہے تھے کہ چادر کندھوں سے گر گر جاتی تھی۔ آپ ﷺ اپنے مولیٰ سے عرض کر رہے تھے: ”اے اللہ! تیرے عہدوں اور وعدوں کا واسطہ (تو ہمیں کامیاب کر)، اے اللہ! اگر آج تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو کون تیری عبادت کرے گا“۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! اب بس کریں“۔ تب نبی کریم ﷺ وہاں سے اٹھے۔ آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: 46) یعنی ان کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ آپ ﷺ اس وقت مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ یاد کر کے تسلی دلا رہے تھے۔ چنانچہ بظاہر نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح عطا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کی کنکریوں کی ایک مٹھی آندھی و طوفان بن کر کفار کو پسپا کرنے کا موجب بن گئی۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ما قیل فی درع النبیؐ:2699)

3۔ بدر کے میدان میں سرداران قریش کی ہلاکت کی پیشگوئی:

نبی کریم ﷺ کو بدر میں قریش کی ہلاکت کا کشفی نظارہ پہلے سے کروایا گیا تھا۔ اس بارہ میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ”ہم مکہ و مدینہ کے درمیان حضرت عمرؓ کے ساتھ شریک سفر تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ’معرکہ بدر سے ایک روز قبل رسول کریم ﷺ نے ہمیں مشرک سرداروں کے ہلاک ہونے کی جگہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا: ’یہ فلاں شخص کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے اور یہاں فلاں شخص ہلاک ہوگا‘، حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ ’وہ لوگ وہیں گر گر کر ہلاک ہوئے جہاں رسول خدا ﷺ نے بتایا تھا‘۔ حضرت عمر مزیدؓ کہتے تھے، میں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ ﷺ نے ان کے گر گر کر ہلاک ہونے کی جو جگہیں بتائی تھیں ان میں ذرا بھی غلطی نہیں ہوئی“۔ (مسلم کتاب الجنہ و صفۃ نعیمھا باب:17)

غزوہ بدر میں قریش کے چوبیس (24) سردار ہلاک ہوئے۔ انہیں بدر کے ایک گڑھے میں ڈالا گیا۔ تیسرے دن بدر سے کوچ کے وقت رسول کریم ﷺ اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ان سرداروں کو ان کے باپوں کے نام لے لے کر پکارنے لگے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: ”اے فلاں کے بیٹے! کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا ہے یا نہیں؟“۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! آپ (ﷺ) ان بے جان جسموں سے کلام کر رہے ہیں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، جو باتیں میں کہہ رہا ہوں وہ ان کو تم سے زیادہ سمجھ رہے ہیں (یعنی ظلموں کی جزا پا کر)“۔ (بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جھل: 3679)

4۔ مکی دور میں ہجرت مدینہ اور مکہ واپسی کی پیشگوئی: قرآن کریم کی مکی

سورۃ 'القصص' کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات اور سفرِ ہجرت کا ذکر ہے، آخر میں مثیلِ موسیٰؑ، نبی کریم ﷺ کے مکہ سے ہجرت کرنے اور پھر مکہ لوٹ کر آنے کی پیشگوئی واضح الفاظ میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (القصص: 86) یعنی وہ خدا جس نے تجھ پر یہ قرآن فرض کیا ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ تجھے اس مقام (مکہ) کی طرف لوٹا کر لائے گا۔ یہ پیشگوئی جن حالات میں کی گئی، اس میں مکہ سے نکالے جانے کے بعد پھر واپس آنا بظاہر ایک ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ فتح مکہ سے چند روز قبل تک بھی معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس شان سے مکہ میں داخل ہوں گے، مگر یہ پیشگوئی صرف آٹھ (8) سال کے مختصر عرصہ میں اس شان سے پوری ہوئی کہ دیکھنے والے ورطہ حیرت میں رہ گئے۔

5۔ کسریٰ شاہ ایران کی ہلاکت کی پیشگوئی: رسول کریم ﷺ نے کسریٰ شاہ ایران کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے خط لکھا، شاہ ایران نے وہ خط پھاڑ دیا۔ رسول کریم ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے جس طرح شاہ ایران نے آپ ﷺ کے خط کو پھاڑ دیا تھا جس سے آپ ﷺ کو دلی تکلیف ہوئی اور آپ ﷺ کے دل سے اس کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی دعا کی جس کے مطابق یہ جابر و ظالم بادشاہ بھی ہلاک ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے تبلیغی خط کو کسریٰ نے اپنی ہتک سمجھا اور یمن کے حاکم باذان کو بھجوایا کہ اس شخص کو، جو حجاز میں ہے، دو مضبوط آدمی بھجوا کر اور گرفتار کر کے اس کے پاس لائیں۔ باذان نے ایک افسر بابویہ نامی اور ایک ایرانی شخص کے ہاتھ اپنا خط آنحضرت ﷺ ارسال کیا کہ آپ ﷺ ان دونوں اشخاص کے ساتھ شاہ ایران کے پاس حاضر ہوں۔ بابویہ کو اس نے یہ بھی کہا کہ نبوت کے دعویدار سے جا کر خود بات کرو اور اس کے حالات سے اسے مطلع کرو۔ یہ لوگ طائف پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ تو مدینہ میں ہیں۔ طائف والے اس پر بہت خوش ہوئے کہ اب کسریٰ، شاہ ایران، آنحضرت ﷺ کے پیچھے پڑ گیا ہے، وہ آپ ﷺ کے لئے کافی ہے۔ دونوں قاصد مدینہ پہنچے، بابویہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی اور بتایا کہ کسریٰ شاہ ایران نے شاہ یمن کو حکم بھجوایا ہے کہ آپ ﷺ کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھجوایا جائے۔ مجھے باذان نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ میرے ساتھ چلیں۔ اگر آپ ﷺ میرے ساتھ چلنے پر تیار ہوں تو میں کسریٰ کے نام ایسا خط لکھ دوں گا کہ آپ ﷺ کو کوئی گزند نہ پہنچائے لیکن اگر آپ (ﷺ) میرے ساتھ چلنے سے انکاری ہیں تو آپ خود جانتے ہیں کہ اس میں آپ (ﷺ) کی پوری قوم کی ہلاکت اور آپ ﷺ کے ملک کی تباہ و بربادی ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ ''اس وقت تم دونوں جاؤ، صبح آنا''۔

رسول اللہ ﷺ کو اسی رات اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ ''شہنشاہ ایران کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے، اس نے اپنے باپ کو فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا ہے''۔

اسود عنسی کے قتل کی خبر: حضرت عمرو بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت اسود عنسی (مدعی نبوت) کے قتل کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں علی الصبح اطلاع دی کہ آج رات اسود عنسی قتل ہو گیا ہے۔ ایک مبارک آدمی نے اس کو قتل کیا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''اس کا نام فیروز بان فیروز ہے''۔ (کنز العمال: 47472)

ب: تعبیر طلب رؤیاء کا پورا ہونا: 1۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے متعلق پیشگوئی: حجۃ الوداع کے بعد نبی کریم ﷺ نے دو جھوٹے مدعیان نبوت کے بارہ میں اپنی یہ رؤیاء بیان فرمائی کہ: ''میں سویا ہوا تھا، خواب میں دیکھا کہ زمین کے خزانے مجھے دیئے گئے ہیں۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن دیکھے، میری طبیعت پر یہ بات گراں گذری اور سونے کے یہ کنگن میرے لئے باعث پریشانی ہوئے۔ تب مجھے وحی ہوئی کہ ان کو پھونک ماروں، میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے''۔ میں نے اس رؤیاء کی یہ تعبیر کی کہ دو جھوٹے نبوت کے دعویدار ہیں، جن کے درمیان میں میں ہوں، ایک تو صنعاء کا باشندہ (اسود عنسی)، دوسرا یمامہ کا رہنے والا (مسیلمہ کذاب)۔ (بخاری کتاب تعبیر الرؤیا باب النفخ فی المنام: 6515)

یہ رویاء حضور ﷺ کی زندگی میں پوری ہوئی اور ان دونوں مدعیان نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کے دعوے کئے، اسود عنسی آپ ﷺ کی زندگی میں اور مسیلمہ کذاب بعد میں ہلاک ہوا۔

2۔ خلافتِ ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق رویاء: خدا تعالیٰ کے ہر مامور کی طرح نبی کریم ﷺ بھی اپنے بعد اپنے مشن کے جاری اور قائم رہنے کی فکر لاحق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فکر اس رویاء کے ذریعے دور کر دی، جس میں ابوبکرؓ کے مختصر زمانہ خلافت اور حضرت عمرؓ کے فتوحات سے بھرپور اور پُرشوکت عہد کی طرف اشارہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ''میں نے رویاء میں دیکھا کہ میں سیاہ رنگ کی بکریوں کے لئے کنویں سے پانی کھینچ رہا ہوں، جن میں کچھ گندمی رنگ کی بھی بکریاں ہیں۔ اتنے میں ابوبکرؓ آئے، انہوں نے ایک یا دو ڈول پانی کھینچا لیکن ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی، پھر عمرؓ آئے، انہوں نے ڈول لیا تو وہ اسے بھرا ہوا کھینچ لائے، جس سے تمام لوگوں کو پانی سے سیراب کیا گیا اور تمام بکریوں نے بھی پانی پی لیا۔ میں نے آج تک ایسا کوئی باکمال و باہمت جواں مرد نہیں دیکھا جو عمرؓ جیسی طاقت رکھتا ہو''۔ یہ رویاء بھی بڑی شان سے پوری ہوئی۔ اور عمرؓ کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی بنیاد رکھ دی گئی۔

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 25)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گھُن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبّے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامۃ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تاکہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جا سکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بد دیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاحِ احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

شیخ صاحب، مولوی اور عمران خان!!

مشہور کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی صاحب اپنے ایک کالم ''سیاسی و غیر سیاسی جملے بازیاں'' میں لکھتے ہیں کہ:

ظام مصطفیٰ ﷺ تحریک کے دلوں میں بھٹو مرحوم کا تاریخی جملہ ''نہیں اسلام نہیں اسلام آباد چاہیئے۔'' آج کل کا لیکن آئندہ ایک تاریخی بن جانے والا جملہ ''ان کا مسئلہ ختم نبوت ﷺ نہیں ختم حکومت ہے!''

معزز قارئین! جناب عطاء الحق قاسمی صاحب کا یہ اقتباس روزنامہ جنگ میں ۲۸ دسمبر ۲۰۱۷ء کو شائع ہوا تھا۔ اور ۲۰۱۸ء میں ختم نبوت ﷺ کے نعرے لگانے والے نا صرف نواز حکومت ختم کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ اپنی حکومت بنانے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔ شیخ رشید صاحب تو ٹاک شو میں بڑی ادا سے کہتے پائے جاتے تھے کہ جی ہمیں کون پوچھتا تھا؟ ختم نبوت کی بات کرنے پر ہم پر لوگوں نے ووٹوں کی بارش کر دی۔ عمران بھی کہتے تھے میں نے قرآن پڑھی ہے اس میں لکھا ہے جو ختم نبوت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ اسی کالم میں شیخ صاحب آف راولپنڈی کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''شیخ صاحب آف پنڈی باتھ روم کی وہ چپل ہے جو بھی آئے پہن سکتا ہے۔''

اور عمران خان صاحب کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

''عمران خان وہ دلہن ہے جو سسرال میں قدم رکھتے ہی دیورانی، جیٹھانی، ساس، نند سب سے بیک وقت محاذ آرا ہو جاتی ہے اور پھر ایک دن چولہا پھٹنے سے اس کی کہانی ختم ہو جاتی ہے۔''

پاکستان کو برباد کرنے والے دو طبقوں کے متعلق قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

''بہت سے لوگ کہتے ہیں پاکستان کی بربادی کی وجہ دو طبقے ہیں۔ ایک مولوی اور دوسرے کا میں نام نہیں لینا چاہتا۔''

قارئین کرام! بہت سے لوگوں نے پہلے طبقے کے متعلق جو کہا سچ کہا ہے، دوسرے کا نام قاسمی صاحب نے نہیں بتایا اس لیے بتانا ضروری نہیں مگر اشارہ دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے طبقے کا پول محترمہ عائشہ صدیقہ صاحبہ نے اپنی کتاب ''خاکی'' میں کھولا ہے، اسی طرح عرفان احمد خان کی کتاب ''پاکستان پہ کیا گزری؟'' کے باب ''مُلا، ملٹری الائنس'' سے بھی قاسمی صاحب کے بیان کردہ دونوں طبقوں کی اصلیت یعنی قدبت کی پیمائش ممکن ہو سکتی ہے۔ متذکرہ دونوں مصنفین دونوں طبقوں کے لیے نا قابل قبول ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ بولتا ہے اسے غدار وطن اور کافر سمجھا جاتا ہے، جناب جسٹس فائز عیسیٰ نے اپنے خلاف صدر کی جانب سے نظر ثانی کے لیے بھیجے گئے ریفرنس کی کاروائی کو براہ راست نشر کرنے کی درخواست کرتے ہوئے بھری عدالت میں کیا خوب کہا ہے۔ ''کفر کا لفظ اسلام آنے سے پہلے استعمال ہوتا تھا۔ کفر کا مطلب ہے سچ کو چھپانا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سچ نہیں بولا جا سکتا۔''

موت کا فرشتہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام

مشہور صحافی رؤوف کلاسرا صاحب اپنے بیٹے کو کہانیاں پڑھنے کا عادی بنا چکے ہیں۔اب کی بار جو کہانی بیٹے کو پڑھنے کے لیے دی اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''اب کی دفعہ جو کہانی پڑھی وہ اگرچہ میں پہلے بھی برطانوی ادیب جیفری آرچر کی کہانیوں کی کتاب میں پڑھ چکا تھا' لیکن رومی کی کہانیوں کی کتاب میں یہ بالکل نئے انداز سے لکھی گئی ہے۔''

معزز قارئین! بلاتبصرہ نئے انداز سے لکھی گئی کہانی پڑھتے ہیں:۔

''حضرت سلیمانؑ اللہ کے ذہین پیغمبر تھے۔انہیں جانوروں اور پرندوں کی زبان سمجھنے پر بھی عبور حاصل تھا اور وہ بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ وہ ہر روز اپنا دربار لگاتے تھے جہاں ان کی رعایا اپنے مسائل حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کرتی اور وہ ان کا حل تجویز کرتے یا ان کی مشکلات دور کرتے تھے۔ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ایک روایت ہے کہ ایک صبح جب حضرت سلیمانؑ اپنی رعایا کے مسائل سن رہے تھے تو ان کی نظر ایک بندے پر پڑی جس کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اتنا ڈرا ہوا لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کا دم نکلنے والا ہو۔آپ نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر ان کے سامنے پیش ہو۔ وہ بندہ یہ دیکھ کر بڑا شکر گزار ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے انہیں عزت دی اور اشارہ بھی کیا کہ وہ قطار توڑ کر آگے آجائے۔ وہ بندہ آگے بڑھا اور حضرت سلیمان کے گھٹنوں پر جھک گیا۔

حضرت سلیمان نے انتہائی پیار اور محبت سے پوچھا: میرے دوست ایسا کیا ہوا تمہارے ساتھ کہ تم اتنے پریشان ہو۔ وہ بندہ بولا: میرے آقا میں بہت پریشان ہوں۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے گلی سے گزر رہا تھا' اچانک میں نے موت کا فرشتہ دیکھا۔اس موت کے فرشتے نے مجھے گھور کر دیکھا۔اس کی غصیلی اور شعلے برساتی آنکھیں دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے میرا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ ہر بندہ اپنا مسئلہ اور مصیبت بھول گیا جس کے لیے وہ حضرت سلیمان کے پاس ان کے حل کے لیے آیا ہوا تھا۔قریبی گلی میں موت کے فرشتے کی موجودگی کا اچانک سن کر سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔سب نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور اس بندے کی طرف دیکھتے رہے۔حضرت سلیمانؑ اس کی حالت پر ترس کھا کر بولے: میرے پیارے آپ کو تو پتہ ہے کہ موت کا فرشتہ عزرائل براہ راست اللہ سے ہی احکامات لیتا ہے اور اپنے کام میں غفلت نہیں کرتا۔اب اللہ کے کاموں میں ہم کیا مداخلت کر سکتے ہیں' لیکن مجھے بتاؤ کہ تم میرے دربار میں کچھ سوچ کر ہی آئے ہو' میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

وہ بندہ تقریباً رو پڑا اور بولا: میری زندگی اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔آپ ایک مہربانی مجھ پر کریں اور صرف آپ ہی کر سکتے ہیں کہ آپ اس تیز ہوا کو کہیں وہ مجھے ہندوستان اڑا کر لے جائے۔موت کے فرشتے کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور میں ہوا کے دوش پر ہزاروں میل دور پہنچ جاؤں گا۔وہ مجھے یہاں تلاش کرتا رہے گا اور میں دور ہندوستان میں ہوں گا۔یوں میری جان بچ جائے گی۔

حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ جو ہوا مشرق کو چل رہی ہو وہ فوراً ان کے دربار میں حاضر ہو۔ ہوا جب پیش ہوئی تو اسے حکم دیا کہ وہ فوراً اس بندے کو یہاں سے دور ہندوستان لے جائے تاکہ اس کی موت کے فرشتے سے جان چھوٹ جائے اور یہ ہندوستان میں جہاں کہے اس جگہ اتار دینا۔ یہ کہہ کر حضرت سلیمانؑ دربار میں بیٹھے دیگر لوگوں کے مسائل سننے میں مصروف ہو گئے۔

اگلے دن جب حضرت سلمان اپنے دربار پہنچے تو عجیب منظر دیکھا۔ رعایا کے درمیان وہ موت کا فرشتہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔حضرت سلیمانؑ نے موت کے فرشتے کو دیکھ کر اسے اشارہ کیا۔فرشتہ آگے بڑھا۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا: اے موت کے فرشتے تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔تم لوگوں کو ڈرا کیوں رہے ہو؟ اب اس بے چارے غریب انسان نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ کل تم نے اسے گلی میں پھرتے ہوئے اتنے خوفناک انداز میں گھورا کہ وہ ڈر کر سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ گیا ہے۔

یہ سن کر عزرائل فرشتہ بہت حیران ہوا۔ بولا: اے ذہین بادشاہ میں نے ہرگز اس بندے کو نہیں گھورا تھا اور نہ اسے ڈرانا میرا مقصد تھا۔ مجھ سے پوچھیں تو میں اسے بندے کو یہاں گلی میں بڑے آرام سے چلتے پھرتے دیکھ کر سخت حیران ہوا تھا۔

یہ سن کر پورے دربار میں پھر خاموشی چھا گئی کہ آخر موت کا فرشتہ کیوں حیران ہوا تھا۔عزرائل نے جواب دیا کہ دراصل مجھے اللہ نے حکم دیا تھا اس انسان کی زندگی ختم کرنی ہے لیکن مجھے جو حکم ملا تھا' اس کے مطابق اس بندے کی زندگی میں نے ہندوستان جا کر ختم کرنی تھی۔اب اسے یہاں ساتھ والی گلی میں یوں چلتے پھرتے دیکھ کر میں حیران ہو رہا تھا کہ ہندوستان تو یہاں سے ہزاروں میل دور ہے۔اب درمیان میں صرف ایک دن تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر اس بندے کو ہزاروں اڑنے والے پر لگے ہوتے تو بھی یہ ایک دن میں ہندوستان نہیں

پہنچ سکتا تھا۔اس لیے میری آنکھوں میں حیرانی تھی کہ یہ بھلا ایک دن میں کیسے ہندوستان پہنچے گا۔اس لیے میں نے اسے ڈرایا نہیں بلکہ سچ پوچھیں تو حیران تھا خدا کا اس بندے کی ہندوستان میں جان لینے کا حکم کیسے پورا ہوگا؟

عزرائیل نے جواب دیا کہ دراصل مجھے اللہ نے حکم دیا تھا اس انسان کی زندگی ختم کرنی ہے لیکن مجھے جو حکم ملا تھا اس کے مطابق اس بندے کی زندگی میں نے ہندوستان جا کر ختم کرنی تھی۔اب اسے یہاں ساتھ والی گلی میں یوں چلتے پھرتے دیکھ کر میں حیران ہو رہا تھا کہ ہندوستان تو یہاں سے ہزاروں میل دور ہے۔اب درمیان میں صرف ایک دن تھا۔ مجھے اسے دیکھ کر سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر اس بندے کو ہزاروں اڑنے والے پر لگے ہوتے تو بھی یہ ایک دن میں ہندوستان نہیں پہنچ سکتا تھا۔اس لیے میری آنکھوں میں حیرانی تھی کہ یہ بھلا ایک دن میں کیسے ہندوستان پہنچے گا۔اس لیے میں نے اسے ڈرایا نہیں بلکہ سچ پوچھیں تو حیران تھا خدا کا اس بندے کی ہندوستان میں جان لینے کا حکم کیسے پورا ہوگا؟

دربار میں ایک دفعہ پھر سناٹا چھا گیا۔وہ بندہ اپنے تئیں ہوا کے دوش پر سوار ہو کر موت کو دھوکا دے کر ہندوستان پہنچ گیا تھا جہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔''

(جناب رؤف کلاسرا کہتے ہیں یہ کالم اس خبر سے متاثر ہو کر لکھا گیا کہ کراچی میں کریش ہونے والے جہاز کی ایک ائر ہوسٹس مدیحا کرم کو لاہور میں عین جہاز کی روانگی سے پہلے اتار کر ایک اور ائر ہوسٹس انعم مسعود کو اس کی جگہ ڈیوٹی پر بھیج دیا گیا تھا)

تدفین ڈھول اور بینڈ باجے کے ساتھ

گوجرانوالہ میں مذہبی شخصیت پیر سائیں سلیم انتقال کر گئے۔عقیدت مندوں نے اپنے پیر کا جنازہ بڑے دھوم دھام سے نکالا۔پیر سائیں سلیم کی تدفین ڈھول اور بینڈ باجے کے ساتھ ہوئی۔عقیدت مندوں نے اس دوران دھمال ڈالی اور نوٹ بھی نچھاور کیے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ گوجرہ میں بھی یکم فروری کو دیکھنے میں آیا تھا۔محلّہ عبداللہ پور کے رہائشی محمد سردار مغل نے اپنے پیر کی ہدایت پر مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ کی تدفین ڈھول باجے کے شور میں کی جائے۔اور پھر ایسا ہی کیا بھی گیا۔لوگوں نے ڈھول اور باجے کی لے پر جی بھر کر دھمال ڈالی اور کرنسی نوٹ بھی نچھاور کیے۔پیر حضرات اور ان کے مرید آج کل اس طرح کی بے ہودہ رسومات ایجاد کر کے اسلام جیسے آسان مذہب کو مشکل بنا رہے ہیں۔

مفتی، چاند اور یا مقبول!!

۱۹۷۱ء سے پہلے اگر چٹاگانگ یا ڈھاکا میں چاند نظر آ جاتا تھا تو گوادر اور پشاور والے بھی ان کے ساتھ عید کرتے تھے۔لیکن آج اگر رویتِ ہلال کمیٹی کے اراکین سے، سوال کریں کہ کیا بنگلہ دیش والے ہمارے ساتھ عید کر سکتے ہیں تو وہ کہیں گے کہ بنگلہ دیش کا مطلع الگ ہے اور ہمارا مطلع الگ۔روس کے گیارہ ٹائم زون ہیں جن میں رہنے والے مسلمان ایک ہی دن عید کرتے ہیں۔اس کے مقابلے میں 57 اسلامی ممالک بھی ویسے ہی گیارہ ٹائم زون میں واقع ہیں، جو مراکش سے برونائی تک کا علاقہ ہے۔لیکن یہاں تو اردن اور شام کی سرحدوں پر اور ایران و عراق کی سرحدوں پر بھی علیحدہ علیحدہ عیدیں منائی جاتی ہیں۔میں سمجھتا تھا کہ اس پوری امت میں یہ اختلافات شاید پاکستان میں ہی ہیں۔لیکن 2007 کا رمضان مجھے ایران میں گزارنے کا موقع ملا۔رات گئے تک پوری ایرانی قوم انتظار کر رہی تھی کہ ابھی رویتِ ہلال کمیٹی اعلان کر دے گی۔فقہ جعفریہ کے مطابق لوگوں نے ''یومِ شک'' کا روزہ رکھ لیا، جسے چاند کی اطلاع نہ ملنے پر 12 بجے سے پہلے توڑا جا سکتا ہے۔گیارہ بجے کے قریب میں کار میں سفر کر رہا تھا، ریڈیو لگا ہوا تھا، اس پر رویتِ ہلال کمیٹی کا قم سے اعلان ہوا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔میرے ڈرائیور نے ایرانی مزاح کا ثبوت دیتے ہوئے کہا ''آغا! ہمراہ آفتاب آمد یعنی صاحب! آج چاند اور سورج ساتھ ساتھ تشریف لائے ہیں۔گزشتہ چودہ سو سال کی تاریخ اس بات پر شاھد ہے کہ اس امت کے تمام مسالک نے چاند کی رویت میں مطلع کا کبھی اختلاف نہیں کیا۔ فقہ حنفی کی کتابوں ''الہدایہ'' اور ''الدر المختار'' میں کہا گیا ہے کہ، اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رویت دلیل ہے۔مواہب الجلیل بلکہ قاضی ابو اسحاق نے ''ابن الماحبشون میں یہاں تک کہہ دیا اگر ایک ملک کے لوگوں کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے تو روزے کی قضا واجب ہے۔یہی مسلک حنبلیوں کے ہاں الاحناف اور شافعیوں کے ہاں المغنی میں درج ہے۔روایت ہے۔''لوگ عید کے چاند میں اختلاف کرنے لگے کہ دو اعرابی آئے، انھوں نے رسول ﷺ کے روبرو اللہ کو گواہ بنا کر کہا کہ کل رات انھوں نے چاند دیکھا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (ابوداود) اس حدیث میں نہ کہیں فاصلے کا ذکر ہے اور نہ ہی حدود و قیود کا۔کیا ۵۷ اسلامی ممالک دنیا میں صرف چند مقامات پر چاند دیکھنے کے مراکز قائم کر کے پوری امت کو ایک رمضان اور ایک عید کا تحفہ نہیں دے سکتے؟ اور یا مقبول جان

”میڈا عشق وی توں۔۔۔“ پٹھانے خان

تحریر: محمد نعیم یاد۔ جوہر آباد (پاکستان)

برصغیر پاک وہند میں اِسلام کی اشاعت میں صوفیاء کرام کردار ہمیشہ بنیادی رہا ہے۔صوفیاء کرام نے ہر دور میں پیار اور محبت کا ایسا جام پلایا کہ لاکھوں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ان صوفیاء کرام نے پیار و محبت کے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اس پیغام کو شاعری کا روپ دیا اور اپنے کلام سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی۔صوفیانہ کلام کی سب سے بڑی تاثیر یہ تھی کہ یہ بہت جلد دِلوں پہ اثر کرنے والا تھا اور زبان دانی بہت سادہ اور فہم تھی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ جو پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے وہ بھی اس کلام کو سن کو ازبر کر لیتے۔اگر دیکھا جائے تو درحقیقت صوفی شاعری پیار و محبت کے وہ بول ہیں جو ہر آدمی کا دل موہ لیتے ہیں۔

کسی نوجوان نے ایک بزرگ سے پوچھا۔صوفی شاعری کی ندرت کیا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا۔انسان کا دل بنجر مٹی کی طرح سخت ہوتا ہے،جس پر کوئی موسم اثر انداز نہیں ہوتا،اسی طرح انسان کے دل پر بھی کوئی بات اثر نہیں کرتی۔صوفی شاعری دل کو نرم کرتی ہے اور اثر قبول کرنے والا بناتی ہے۔جب صوفیانہ شاعری کے حروف سماعتوں سے ٹکراتے ہیں اور دل انھیں محسوس کرتا ہے،تو پھر سخت مٹی نرم ہونا شروع ہو جایا کرتی ہے،بشرطیکہ یہ عارفانہ کلام سمجھ میں آجائے۔دل جب نرم مٹی کی طرح ہو جائے،تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا بیج ڈالتا ہے۔لہٰذا حدا سے عشق کی طرف جانے والے راستے کا سنگ میل تصوف ہی ہے۔ایک ایسا راستہ جس میں ذات کی نفی ہوتی ہے۔عاجزی و انکساری شخصیت کا اثاثہ ہوتے ہیں۔

صوفیانہ کرام کے کلام کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار صوفی گلوکاروں کا بھی ہے جنھوں نے اپنی میٹھی اور سُریلی زبان کے ذریعے صوفیاء کرام کے اس پیغامِ محبت کو مزید لوگوں تک پہنچایا اور آج بھی پہنچا رہے ہیں۔ابتداء میں امیر خسرو اور تان سین کا نام سرِفہرست ہے جنھوں نے مختلف راگ اور راگنیاں تخلیق کیں اور یہیں سے صوفی ازم میں قوالی کا آغاز ہوتا ہے اور اسے ایسی بے پناہ مقبولیت ملتی ہے جو صدیوں کم نہیں ہوتی۔گائیکی کا یہ سلسلہ جب اپنے عروج کو پہنچتا ہے تو کئی اہم گلوکاروں نے اس میں اپنا حصہ ڈالا اور اپنی شناخت صوفی گائیک کے طور پر بنائی۔چونکہ صوفیانہ کلام دِلوں پہ جلد اثر کرنے والا کلام ہے یہی وجہ ہے کہ جس گلوکار نے بھی اس حوالے سے اپنی پہچان بنانے کی کوشش کی وہ شہرت کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔

صوفیانہ کلام کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صوفیاء کرام نے اپنے کلام میں انسان کو عاجزی و انکساری کا پیغام دیا۔ایسی شاعری کو ہم تحریکی،دعوتی یا تبلیغی شاعری بھی کہہ سکتے ہیں یعنی وہ شاعری جس کا مقصد آدم گری اور انسان سازی ہے اور اسی نسبت سے وہ پیغمبری کی میراث اور امین ہوتی ہے۔جیسا علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :

شعر را مقصود اگر آدم گریست
شاعری ہم وارث پیغمبریست

صوفی کلام کو لوگوں تک پہنچانے میں جن اہم صوفی گلوکاروں نے کردار ادا کیا ان کی شخصیت کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ان کی شخصیت اس پیغام پہ بالکل پوری اترتی دکھائی دیتی ہے جو پیغام صوفیاء کرام نے اپنی شاعری میں دیا یہی وجہ ہے کہ وہ صوفی گائیک جن کے نام برصغیر سے باہر پوری دنیا تک پہنچا وہ ساری زندگی سادگی اور انکساری سے گزار کر چلے گئے۔ایسی ہی ایک اہم شخصیت پٹھانے خان تھے۔پٹھانے خان نے اپنے فنی سفر کے دوران جس طرح سے لوک گائیکی کے ذریعے ملک اور بیرون ملک اپنی منفرد پہچان بنائی اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔

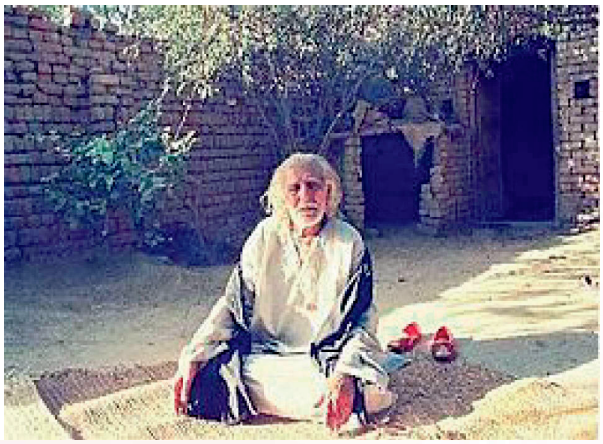

سرائیکی وسیب کی پہچان پٹھانے خان 1926ء کو پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ کی

تحصیل کوٹ ادو کی بستی تمبووالا میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام غلام محمد تھا۔ان کے الد کی تین شادیاں تھیں جس کے باعث والدہ انہیں لے کر میکے آ گئیں نانا اور ماموں کی زیرسرپرستی ان کی زندگی پروان چڑھنے لگی۔بچپن سے ہی سُر سنگیت کی دولت سے مالا مال تھے۔دوران تعلیم جب کبھی اپنے دوستوں میں بیٹھ کر گاتے تو موسیقی کی محفل جم جاتی۔انھوں نے ابھی سات جماعتیں ہی پاس کی تھیں کہ گھر کے حالات بہت خراب ہوگئے۔مالی حالات کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اپنی والدہ کے ساتھ مل کر لکڑی فروخت کرنے کا چھوٹا سا کام شروع کیا۔مگر کچھ عرصہ بعد ان کی والدہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

والدہ کی وفات کے بعد انتہائی کسمپرسی اور غربت کی حالت میں ان کا فن مزید پختہ ہونے لگا۔یوں والدہ کے انتقال کے بعد پٹھانے خان نے مستقل طور پر موسیقی کو اپنالیا۔آپ نے موسیقی کی تعلیم استاد بابا میر خان سے حاصل کی۔وہ زیادہ تر نجی محفلوں میں خواجہ فریدؒ کا کلام گاتے اور لوگوں کے دلوں کو گرماتے۔صوفیانہ کلام گاتے گاتے ایک دن ریڈیو پاکستان ملتان جا پہنچے۔اور 1970 میں میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں ریکارڈ کرائی اس کافی کے نشر ہونے سے ہر سو تہلکہ مچ گیا بلکہ ان کی شہرت کے چرچے بیرون ممالک تک ہونے لگے۔اس طرح سے پٹھانے خان پاکستان کی لوک گائیکی میں منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ایک طرف تو پی ٹی وی پر ان کے خصوصی پروگرام نشر ہونے لگے تو دوسری جانب درگاہوں پر بھی ان کی محافل سجنے لگیں جہاں وہ حضرت خواجہ غلام فرید سمیت دیگر بزرگان دین اور صوفیاء کے کلام پیش کرتے۔

پٹھانے خاں کی گائی ہوئی کافیوں میں روحانیت اور علاقائی ثقافت کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔اپنے منفرد مسائل کی وجہ سے محفل پر جادو طاری کر دیتے۔ان کی آواز میں درد کے ساتھ ساتھ بے پناہ کشش بھی تھی۔اسی لیے ان کا عارفانہ کلام سنتے ہی سامعین پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ان کے مشہور صوفیانہ کلام میں میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں، چینہ ایں چھڑ یندا یار، کیا حال سناواں دل دا، کوئی محرم راز نہ ملدا، الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہُو ان کی دنیا بھر میں شہرت کا باعث بنا۔انہوں نے سرائیکی کے ساتھ ساتھ اردو کلام بھی کمال گایا۔ان کی گائی ہوئی غزل اے دوست ذرا اور قریب رگ جاں ہو زبان زد عام ہے۔

پٹھانے خان ایک درویش صفت اور نیک سیرت انسان تھے جن کی ساری زندگی
سادگی سے گزری۔قدرت نے ان کو بہت عزت بخشی مگر اس کے باوجود ان کی ذات میں تکبر اور غرور کا پہلو نظر نہیں آتا۔ان کی سادگی کا اندازہ ٹی وی کے ایک پروگرام سے ملاحظہ کیجیے۔

جب کمپیئر نے ان سے سوال کیا کہ سنائیں زندگی کا سفر کیسے گزرا؟ تو جواب میں کہنے لگے ''کوٹ ادو توں رات بس تے بیٹھے، تے اوں ساکوں دھکے دھوڑے دیندے دھمی بدامی باغ آن سٹے، پہلے سوچم ویگن تے باہنواں وت آ کھم دیر تھی ویسی ولا اتھوں رکشہ گدے تے ٹی وی سٹیشن آن پہنچا۔''

میزبان نے ہنستے ہوئے پھر سوال کیا میرا کہنے کا مطلب ہے کہ آپ نے موسیقی کا سفر کیسے طے کیا؟

پٹھانے خان نے پھر اپنی سادگی اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''اووی اینویں دھکے دھوڑے کھاندے گزر دی پئی اے''

یوں تو پٹھانے خان کے دنیا بھر میں کئی مداح تھے مگر ان کے فن کے سحر میں مبتلا مداحوں میں ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق جیسے لوگ بھی تھے۔پٹھانے خان کی حد داری اور درویشانہ طبعیت کے بارے میں سلیم ناز لکھتے ہیں۔ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق پٹھانے خان کے دلدادہ تھے۔عارفانہ کلام سننے کے لئے انہیں خصوصی طور پر اسلام آباد مدعو کیا جاتا ملک غلام مصطفیٰ کھر انہیں اپنے ہمراہ اسلام آباد لے جاتے جہاں ذوالفقار بھٹو گھنٹوں ان سے عارفانہ کلام سنتے رہتے۔ساری عمر کسمپرسی اور غربت میں گزار دی لیکن کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا۔آفر ہونے کے باوجود بھٹو سے کچھ نہ مانگا بس ایک ہی جواب دیتے اللہ بہوں ڈیوے تے صحت دی بادشاہی ہوے اسی طرح ضیاء الحق نے متاثر ہو کر دو ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا۔کہا جاتا ہے ذوالفقار بھٹو نے انہیں اسلام آباد میں پلاٹ اور ٹیکسٹائل ملز کا پرمٹ بھی جاری کیا تھا لیکن مرحوم تک یہ نوازشات نہ پہنچ سکیں دیگر بااثر افراد اس سے مستفید ہوئے تاہم انہیں فرانس کے دورے پر ضرور بھجوایا گیا وہاں بھی انہوں نے خوب رنگ جمائے۔اس کے بعد فرانس میں جانے کی دعوت ملنے کے باوجود کوٹ ادو تک ہی محدود رہے۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ 1976ء میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں ایک نجی محفل میں پرفارمنس کے لیے خاص طور پر مدعو کیا اور رات بھر محفل سجی رہی۔اس دوران جب پٹھانے خان نچندری لٹی

تے یار سجن پیش کی تو ذوالفقار علی بھٹو اس کلام کو سنتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے تھے۔ اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو نے پٹھانے خان سے پوچھا کہ کچھ چاہیے تو ان کا کہنا تھا کہ بھٹو صاحب آپ صرف غریب عوام کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے بہتر اقدامات کریں اس پر سابق وزیراعظم نے پٹھانے خان کو گلے سے لگالیا۔ موسیقی کی نجی کمپنیوں نے ان کی کافیوں اور عارفانہ کلام کی کیسٹیں ریکارڈ کر کے خوب نوٹ کمائے لیکن اس گلوکار کی قسمت میں دھکے دھوڑے ہی رہے۔

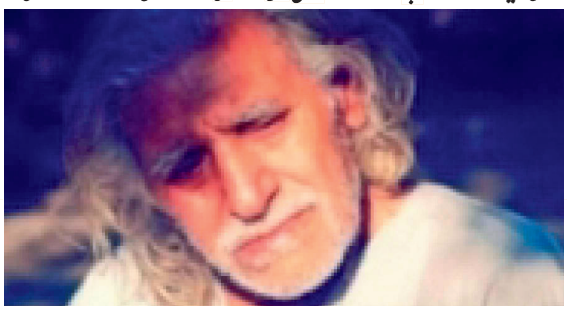

فن موسیقی کے دلدادہ لوگوں کے دلوں پر راج کرنے والے اس عظیم فنکار کی ذاتی زندگی کتنی کٹھن تھی اس کا کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ شادی کے بعد جواں سالہ بیٹا بھی جب ان کو داغِ مفارقت دے گیا تو ان کا دل ٹوٹ سا گیا۔ کون جانتا تھا کہ اتنی شہرت پانے والے کے گھر میں فاقے بسیرا کئے رہتے۔ مناسب خوراک کی عدم دستیابی سے صحت دن بدن گرتی جارہی تھی۔ ایک مرتبہ واپڈا والوں نے بجلی کا بھاری بل بھیج دیا۔ ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے گھر کا میٹر اتار لیا گیا موصوف اپنا طبلہ اور ہارمونیم اٹھا کر واپڈا کے دفتر جا پہنچے اور کہنے لگے میرے گھر میں کوئی فیکٹری نہیں ہے صرف دو بلب جلتے ہیں وہ بھی رات کو یہ طبلہ اور ہارمونیم میرا کل اثاثہ ہے انہیں فروخت کر کے بھی بجلی کا بل ادا کرنا مشکل ہے۔ مجھ پر رحم کیجئے حضور لیکن ایس ڈی او ٹس سے مس نہ ہوا۔ لہٰذا با اثر مداح کی سفارش پر کئی روز بعد بجلی بحال ہوسکی۔ دوستوں کی محفل میں انہوں نے بتایا کہ میں مٹھن کوٹ میں خواجہ غلام فریدؒ کے عرس مبارک میں بن بلائے پہنچ گیا۔ لیکن مجھے خواجہ فرید کا کلام سنانے کی اجازت نہ ملی عرس میں موجود ایک مخدوم کی سفارش پر منتظمین نے مجھے گانے کی اجازت دی پھر کیا تھا ساری رات میں گاتا رہا اور لوگ سنتے رہے۔

دَردفریدؔ اُجاڑیاڈُکھڑے ڈِتم ڈہاگاں

لوک گائیکی میں گراں قدر خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے پٹھانے خان کو صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا اس کے علاوہ بھی انھوں نے اپنی زندگی میں بہت سے اعزازات اور ایوارڈ حاصل کئے لیکن یہ تمغے ان کے گھر کے مسائل دور نہ کر سکے۔ یوں 9 مارچ 2000ء کو یہ فن کار اپنی گائیکی کا سکہ جمائے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ پٹھانے خان آج اس دنیا میں نہیں رہے مگر ان کے گائیہوئے صوفیانہ کلام ہمیشہ ہمارے دلوں کو گرماتے رہیں گے۔

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دِین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد ممبر مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوتاں ، صوم صلو اذان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونڑا من موہن جانان وی توں
میڈا مرشد ہادی پیر طریقت شیخ حقائق دان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا تکیہ مانڑ تے ترانڑ وی توں
میڈا دھرم وی توں ، میڈا بھرم وی توں
میڈی شرم وی توں ، مینڈی شان وی توں
میڈا ڈکھ سکھ روونڑ کھلنڑ وی توں
میڈا درد وی توں ، درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام و نشان وی توں
میڈا ڈیکھنڑ بھالنڑ جاچنڑ جوچنڑ، سمجھنڑ جانڑ سنجانڑ وی توں
میڈے تھدڑے ساہ تے مونجھ منجھاری ہنجنڑوں دے طوفان وی توں
میڈے تلک تلوے سیندھاں مانگھاں ناز نہورے تان وی توں
میڈی مہندی کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈی وحشت جوش جنون وی توں
میڈا گریہ آہ و فغان وی توں
میڈا شعر عروض قوالی وی توں
مینڈا بحر وی توں ، اوذان وی توں
میڈا اول آخر اندر باہر ، ظاہر تے پنہاں وی توں
میڈا فردا تے دیرزوی وی توں
الیوم وی توں ، الان وی توں
میڈا بادل برکھا ، کھمڑیاں گاجاں بارش تے باران وی توں
میڈا ملک ملیر تے مارو تھلڑا روہی چولستان وی توں
جے یار فرید قبول کرے سرکار وی توں
سلطان وی توں
نہ تاں کہترا کمترا حقر ادنی، لاشئے لا امکان وی توں

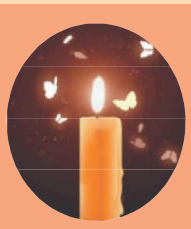

شعروشاعری

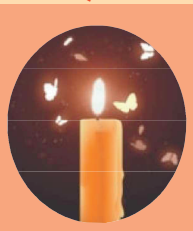

''اک محمد مصطفیٰ ساروں کے بیچ''

عبیداللہ علیم

ایک میں بھی ہوں کلہ داروں کے بیچ
میرؔ صاحب کے پرستاروں کے بیچ

روشنی آدھی ادھر آدھی ادھر
اک دیا رکھا ہے دیواروں کے بیچ

میں اکیلی آنکھ تھا کیا دیکھتا
آئینہ خانہ تھے نظاروں کے بیچ

ہے یقیں مجھ کو کہ سیارے پہ ہوں
آدمی رہتے ہیں سیاروں کے بیچ

کھا گیا انساں کو آشوب معاش
آ گئے ہیں شہر بازاروں کے بیچ

میں فقیر ابن فقیر ابن فقیر
اور اسکندر ہوں سرداروں کے بیچ

اپنی ویرانی کے گوہر رولتا
رقص میں ہوں اور بازاروں کے بیچ

کوئی اس کافر کو اس لمحے سنے
گفتگو کرتا ہے جب یاروں کے بیچ

اہل دل کے درمیاں تھے میرؔ تم
اب سخن ہے شعبدہ کاروں کے بیچ

آنکھ والے کو نظر آئے علیمؔ
اک محمد مصطفیٰ ساروں کے بیچ

''قصر شاہی میں آدابوں کی انتہا دیکھی ہے''

رانا محمد حسن

تمناؤں کے لاشے سرابوں کی انتہا دیکھی ہے
جاگتے انسانوں کے خوابوں کی انتہا دیکھی ہے

کاغذی پھولوں کے درمیاں بیٹھ کر میں نے
خاک میں ملے گلابوں کی انتہا دیکھی ہے

کتاب کی اہمیت وہ کیا جانے جس نے
شہرِ جہالت میں خرابوں کی انتہا دیکھی ہے

آئندہ دیکھیں گے کیا ثمر لائے گا انقلاب
گزر جانے والے انقلابوں کی انتہا دیکھی ہے

کوئی نہ سنائے قصۂ حُسن و جمالِ شیخ
چہروں پر تنے نقابوں کی انتہا دیکھی ہے

نہ سناؤ شیخ حور و غلمان کے قصے
گرد سے اٹے شبابوں کی انتہا دیکھی ہے

اُف سوال پوچھنا بھی سزا سے کم نہیں
اک سوال کے جوابوں کی انتہا دیکھی ہے

شیخ سلام کو حرم کہے خود اس کے
قصر شاہی میں آدابوں کی انتہا دیکھی ہے

سچ سے سجے سنورے سچوں نے جھوٹوں پر
دن رات اُترتے عذابوں کی انتہا دیکھی ہے

شہریارِ وقت کے ہاتھوں سے پیتا ہوں مَیں
روشن آنکھوں میں آفتابوں کی انتہا دیکھی ہے

''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد''

محمد علی جوہرؔ

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف حرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے اگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہرؔ یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

''بس یاد ہے باقی تیری مہکار کی صورت''

بشریٰ حفیظ صاحبہ

اغیار کی صورت ہے نہ دلدار کی صورت
اس راہ سے نکلا ہے سرِ دار کی صورت

آیا ہے بلاوا جو سرِ بزم مجھے آج
''اقرار کی صورت ہے نہ انکار کی صورت''

اس شوق میں پھیلائے ڈوپٹہ تو کسی دن
ایستادہ تیرے گھر میں ہیں دیوار کی صورت

جو حادثے ہوتے ھیں میرے گردو نواح میں
اترتے ہیں میرے ذہن میں افکار کی صورت

مدت ہوئی تم سے نہ کوئی راہ رسم ہے
بس یاد ہے باقی تیری مہکار کی صورت

دل چیز تو کیا جان بھی ہم ہار دیں بشریٰ
گر آئے میرے پاس وہ دلدار کی صورت

''چاہ میں یار کی آہوں کو ابھارا نہ کریں''

منیرؔ احمد باجوہ

ہجر کا درد مری جان گوارا نہ کریں
لا کے تعویذ مری نظر اتارا نہ کریں

ایک عشق ہی کافی ہے اس دنیا میں
مان اے دل کبھی عشق دوبارہ نہ کریں

ہم تو راہ میں تری قربان ہوئے بیٹھے ہیں
جانثاروں کو یوں ہجر میں مارا نہ کریں

یار کے چہرے کو تکتی رہیں نظریں ہر دم
بھول کر یار کو جیون کو گزارہ نہ کریں

عہد وفا باندھا ہے تو ہر حال نبھائیں اسکو
توڑ کر عہدِ وفا عہد کو رُسوا نہ کریں

خاک بسری سے نہیں بڑھ کر عزت کوئی
خود نمائی سے کبھی شان دوبالا نہ کریں

عشق ہوتا ہے تو دل کی راہوں سے منیر
چاہ میں یار کی آہوں کو ابھارا نہ کریں

خاکسار ہوتا ہے ہر عاشق حسنؔ
اسے شہرت کا چسکا نہیں ہوتا

''یہ مرا ملک ہے یا مصر کا بازار کھلا''

راجہ محمد یوسف خان

پھر طبیعت ہوئی موزوں لبِ اظہار کھلا
پھر قلم ہاتھ میں اور دفترِ اَسرار کھلا
عقدۂ عشق جو اُلجھا تو سرِ دار کھلا
کوئی منظر ہے پسِ پردۂ دیوار کھلا
اس کی ہر بات سے اَنوار کے دریا نکلے
جس کے آنے سے عجب خانۂ ادوار کھلا
جیسے منزل خود انہیں ملنے چلی آئی ہو
قافلے والوں سے یوں قافلہ سالار کھلا
پھر کھلا یہ کہ اُسے بھی ہے محبت مجھ سے
نامہ بر سے جو مرا یارِ طرحدار کھلا
پھر شبِ وصل پہ اترے ہیں نشیلے منظر
میکدے رقص کناں ، حُسن کا دربار کھلا
پھر لبِ بام ترے کان کا بالا چمکا
پھر سرِ شام مرا دیدۂ نمدار کھلا
کون یوسف ہے جسے بیچ نہیں دیتے لوگ
یہ مرا ملک ہے یا مصر کا بازار کھلا

''درد سے جام بھر نہ جائے کہیں''

بشارت سکھی

چشم رنجور بھر نہ جائے کہیں
چاہ جینے کی مر نہ جائے کہیں
وقت کے تازیانے سہتے ہوئے
حوصلہ بھی بکھر نہ جائے کہیں
ظلمت شب سے ڈر نہیں لگتا
رات بھر چاند گر نہ جائے کہیں
گریہ شب کا حال کیسے کہیں
ضبط حد سے گذر نہ جائے کہیں
وصل امید چار مل ہی سہی
وقت یہ مختصر نہ جائے کہیں
یاد کیسے دلاوں اس کے ستم
وہ شرم سے ہی مر نہ جائے کہیں
لذت درد میرا دل جانے
درد سے جام بھر نہ جائے کہیں
دیر کرنا نہ لوٹ آنے میں
دھوپ چھت سے اتر نہ جائے کہیں
دھڑکنوں کی فغاں سکھی سن لے
غم کا دریا بپھر نہ جائے کہیں

''بارش ہوئی تو آئینہ دل کا چمک گیا''

جمشید اعظم چشتی

یوں تھا کہ میرا ہاتھ خضر بھی جھٹک گیا
گھر کے قریب آ کے میں رہ سے بھٹک گیا
کیا جانے آسماں کو خبر تھی ، نہ تھی ، مگر
اک لمحہ آنے والا زمیں کو کھٹک گیا
آندھی چلی تو یادوں سے ہر چیز ، اٹ گئی
بارش ہوئی تو آئینہ دل کا چمک گیا
پہنچا خلاؤں میں تو زمیں میرے سر پہ تھی
اور میں سمجھ رہا تھا ، میں سُوءِ فلک گیا
جمشید اس کے چہرے پہ لب اس طرح کھلے
غنچہ سا جیسے جام کے اندر حبک گیا

''اے عشق ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے''

جگر مرادآبادی

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے
ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے
اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے
عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں رہے
کیا خاک اعتبار نگاہ یقیں رہے
میری زباں پہ شکوہ درد آفریں رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے
جب تک الٰہی جسم میں جان حزیں رہے
نظریں مری جوان رہیں دل حسیں رہے
یارب کسی کے راز محبت کی خیر ہو
دست جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے
تا چند جوش عشق میں دل کی حفاظتیں
میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے
جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے
مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں
قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے
اے عشق نالہ کش تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے عرق عرق وہ تن نازنیں رہے
درد و غم فراق کے یہ سخت مرحلے
حیراں ہوں میں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے
اللہ رے چشم یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے
ظالم اٹھا تو پردۂ وہم و گمان و فکر
کیا سامنے وہ مرحلہ ہائے یقیں رہے
ذات و صفات حسن کا عالم نظر میں ہے
محدود سجدہ کیا مرا ذوق جبیں رہے
کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں
اچھا یہ ہے وہ ننگ محبت یہیں رہے
سر دادگان عشق و محبت کی کیا کمی
قاتل کی تیغ تیز خدا کی زمیں رہے
اس عشق کی تلافیٔ مافات دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

''ابھر گئیں کئی چوٹیں کسی خیال کے ساتھ''

شاذ تمکنت

عذاب ہجر بھی ہے راحت وصال کے ساتھ
ملی تو ہیں مجھے خوشیاں مگر ملال کے ساتھ
تمہاری یاد میں بھی ضبط و اعتدال کہاں
میں تم سے کیسے ملوں ضبط و اعتدال کے ساتھ
یہی بہت ہے زمانہ میں چار دن کے لئے
اگر حیات کٹے ایک ہم خیال کے ساتھ
کچھ اس طرح شب مہ نے کرن کی دستک دی
ابھر گئیں کئی چوٹیں کسی خیال کے ساتھ
افق نہیں تو کسی چاند کا تصور کیا
ستارے ڈوب گئے درد کے زوال کے ساتھ
شفق گلال کلی چاندنی الاپ سحر
نظر کے سامنے آئے تری مثال کے ساتھ
بھٹک رہا ہوں کہ فردا کا راستہ گم ہے
قدم قدم مرا ماضی ہے میرے حال کے ساتھ
اسے سنوں کہ اسے دیکھتا رہوں اے شاذ
جمال نغمہ بھی ہے نغمہ جمال کے ساتھ

''جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے''

معین احسن جذبی

مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا اب خواہش دنیا کون کرے
جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے
جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے
دنیا نے ہمیں چھوڑا جذبی ہم چھوڑ نہ دیں کیوں دنیا کو
دنیا کو سمجھ کر بیٹھے ہیں اب دنیا دنیا کون کرے

''خوشا وہ لوگ جن کو دوسروں پہ اعتبار ہے''

شہریار

یہ کیا جگہ ہے دوستو یہ کون سا دیار ہے
حد نگاہ تک جہاں غبار ہی غبار ہے
ہر ایک جسم روح کے عذاب سے نڈھال ہے
ہر ایک آنکھ شبنمی ہر ایک دل فگار ہے
ہمیں تو اپنے دل کی دھڑکنوں پہ بھی یقیں نہیں
خوشا وہ لوگ جن کو دوسروں پہ اعتبار ہے
نہ جس کا نام ہے کوئی نہ جس کی شکل ہے کوئی
اک ایسی شے کا کیوں ہمیں ازل سے انتظار ہے

''میرا حرم ہے کہ میں بے وفا نہیں ہو سکا''

مبارک صدیقی

کوئی درد ہے جو ابھی دوا نہیں ہو سکا
وہ بچھڑ گیا ہے مگر جدا نہیں ہو سکا
وہ ملے اگر تو اسے کہوں اے گلاب شخص
کوئی تجھ سا کیا تیری خاک پا نہیں ہو سکا
تیرے بعد پھر میری موسموں سے بنی نہیں
تیرے بعد پھر میں کبھی ہرا نہیں ہو سکا

سر بزم ہیں یہی تذکرے کہ برا ہوں میں
میرا حرم ہے کہ میں بے وفا نہیں ہو سکا

''حسن مقصود مگر اس کے جوابوں میں نہیں''

سلیم شہزاد

رنگ تعبیر کا ٹوٹے ہوئے خوابوں میں نہیں
چھاؤں کا لمس کہیں جیسے سرابوں میں نہیں
کر دیا ساحر تہذیب نے پتھر ان کو
چہرے لمحوں کے وہ ریشم کی نقابوں میں نہیں
آ کے ساحل پہ ہوس کے نہ یوں موجوں سے ڈرو
رنگ گہرائی میں پاؤ گے حبابوں میں نہیں
انگ انگ اس کا تھا اک نیلے نشے میں ڈوبا
ابدی کیف وہ بولتی کی شرابوں میں نہیں
میری اک بات پہ کیں اس نے ہزاروں باتیں
حسن مقصود مگر اس کے جوابوں میں نہیں
اب تو آسیب مسلط ہے یہاں حسرت کا
آس کی کوئی پری دل کے خرابوں میں نہیں
اس سے ٹکرا کے بکھرنے میں جو لذت ہے سلیم
اس قدر حظ شکست اور عذابوں میں نہیں

''وہ دیکھے تو ہمیں آزاد کر کے''

پروین شاکر

بہت رویا وہ ہم کو یاد کر کے
ہماری زندگی برباد کر کے
پلٹ کر پھر یہیں آ جائیں گے ہم
وہ دیکھے تو ہمیں آزاد کر کے
رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے
مگر ہاں منت صیاد کر کے
بدن میرا چھوا تھا اس نے لیکن
گیا ہے روح کو آباد کر کے
ہر آمر طول دینا چاہتا ہے
مقرر ظلم کی میعاد کر کے

مشتاق احمد یوسفی کے اقوال و اقتباسات

غالب دنیا میں واحد شاعر ہے جو سمجھ میں نہ آئے تو دگنا مزہ دیتا ہے۔

غصہ جتنا کم ہوگا اس کی جگہ اداسی لیتی جائے گی۔

لاہور کی بعض گلیاں اتنی تنگ ہیں کہ اگر ایک طرف سے عورت آ رہی ہو اور دوسری طرف سے مرد تو درمیان میں صرف نکاح کی گنجائش بچتی ہے۔

جس دن بچے کی جیب سے فضول چیزوں کے بجائے پیسے برآمد ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے بے فکری کی نیند کبھی نصیب نہیں ہوگی۔

ہر دکھ، ہر عذاب کے بعد زندگی آدمی پر اپنا ایک راز کھول دیتی ہے۔

مرد کی آنکھ اور عورت کی زبان کا دم سب سے آخر میں نکلتا ہے۔

مرد کی آنکھ اور عورت کی زبان کا دم سب سے آخر میں نکلتا ہے۔

عورتیں پیدائشی محنتی ہوتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگالیں کہ صرف ۲۱ فیصد خواتین خوبصورت پیدا ہوتی ہیں، باقی اپنی محنت سے یہ مقام حاصل کرتی ہیں۔

ہماری گائکی کی بنیاد طبلے پر ہے۔ گفتگو کی بنیاد گالی پر۔

مسلمان ہمیشہ ایک عملی قوم رہے ہیں۔ وہ کسی ایسے جانور کو محبت سے نہیں پالتے جسے ذبح کر کے کھا نہ سکیں۔

پرائیوٹ اسپتال اور کلینک میں مرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ موحوم کی جائداد، جمع جتھا اور بینک بیلنس کے بٹوارے پر پسماندگان میں خون خرابا نہیں ہوتا کیونکہ سب ڈاکٹروں کے حصے میں آجاتے ہیں۔

مرد کی پسند وہ پل صراط ہے جس پر کوئی موٹی عورت نہیں چل سکتی۔

گھوڑے اور عورت کی ذات کا اندازہ اس کی لات اور بات سے کیا جاتا ہے۔

میرا عقیدہ ہے کہ جو قوم اپنے آپ پر جی کھول کر ہنس سکتی ہے وہ کبھی غلام نہیں ہو سکتی۔

شریف گھرانوں میں آئی ہوئی دلہن اور جانور تو مر کر ہی نکلتے ہیں۔

سچ بول کر ذلیل خوار ہونے کی بہ نسبت جھوٹ بول کر ذلیل و خوار ہونا بہتر ہے۔

آدمی کو کم از کم صبر تو آجاتا ہے کہ کس بات کی سزا مل رہی ہے۔

عورت کی ایڑی ہٹاؤ تو اس کے نیچے سے کسی نہ کسی مرد کی ناک ضرور نکلے گی۔

جو ملک جتنا غربت زدہ ہوگا اتنا ہی آلو اور مذہب کا چلن زیادہ ہوگا۔

گالی، کنتی، سرگوشی اور گندا لطیفہ تو صرف اپنی مادری زبان میں ہی مزہ دیتا ہے۔

اچھے استاد کے اندر ایک بچہ بیٹھا ہوتا ہے جو ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور سر ہلا ہلا کر بتاتا جاتا کہ بات سمجھ میں آئی کہ نہیں۔

اس زمانہ میں سو فیصد سچ بول کر زندگی کرنا ایسا ہی ہے جیسے بجری ملائے بغیر صرف سیمنٹ سے مکان بنانا۔

بے سبب دشمنی اور بدصورت عورت سے عشق حقیقت میں دشمنی اور عشق کی سب سے خالص قسم ہے۔ یہ شروع ہی وہاں سے ہوتے ہیں جہاں عقل ختم ہو جاوے ہے۔

بڑھاپے کی شادی اور بینک کی چوکیداری میں ذرا فرق نہیں۔ سوتے میں بھی آنکھ کھلی رکھنی پڑتی ہے۔

مڈل کلاس غریبی کی سب سے قابل رحم اور لاعلاج قسم وہ ہے جس میں آدمی کے پاس کچھ نہ ہو لیکن اسے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔

انسان کا کوئی کام بگڑ جائے تو ناکامی سے اتنی کوفت نہیں ہوتی جتنی ان بن مانگے مشوروں اور نصیحتوں سے ہوتی ہے جن سے ہر وہ شخص نوازتا ہے جس نے کبھی اس کام کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جسے ماضی یاد نہیں رہتا اس کی زندگی میں شاید کبھی کچھ ہوا ہی نہیں، لیکن جو اپنے ماضی کو یاد ہی نہیں کرنا چاہتا وہ یقیناً لوفر رہا ہوگا۔

جب شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پینے لگیں تو سمجھ لو کہ شیر کی نیت اور بکری کی عقل میں فتور ہے۔

داغ تو دو ہی چیزوں پر سجتا ہے، دل اور جوانی۔

دشمنوں کے حسب عداوت تین درجے ہیں۔ دشمن، جانی دشمن اور رشتے دار۔

مرد عشق و عاشقی صرف ایک مرتبہ کرتا ہے، دوسری مرتبہ عیاشی اور اس کے بعد نری عیاشی۔

گانے والی صورت اچھی ہو تو مہمل شعر کا مطلب بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔

مسلمان لڑکے حساب میں فیل ہونے کو اپنے مسلمان ہونے کی آسمانی دلیل

سمجھتے ہیں۔

پہاڑ اور ادھیڑ عورت دراصل آئل پینٹنگ کی طرح ہوتے ہیں۔ انہیں زرا فاصلے سے دیکھنا چاہیے۔

پاکستانی افواہوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ سچ نکلتی ہیں۔

آسمان کی چیل، چوکھٹ کی کیل اور کورٹ کے وکیل سے حدا بچائے، ننگا کر کے چھوڑتے ہیں۔

مونگ پھلی اور آوارگی میں خرابی یہ ہے کہ آدمی ایک دفعہ شروع کر دے تو سمجھ میں نہیں آتا ختم کیسے کرے۔

عمر طبیعی تک تو صرف کوے، کچھوے، گدھے اور وہ جانور پہنچتے ہیں جن کا کھانا

مزاح نگار، بینکار
مشتاق احمد یوسفی
پیدائش ۴ ستمبر ۱۹۲۳ء
ٹونک بھارت
وفات
۲۰ جون ۲۰۱۸ء
کراچی پاکستان

شرعاً حرام ہے۔

انسان وہ واحد حیوان ہے جو اپنا زہر دل میں رکھتا ہے۔

آدمی ایک بار پروفیسر ہو جائے تو عمر بھر پروفیسر ہی رہتا ہے، خواہ بعد میں سمجھداری کی باتیں ہی کیوں نہ کرنے لگے۔

جو شخص کتے سے بھی نہ ڈرے اس کی ولدیت میں شبہ ہے۔

ایجاد اور اولاد کے لچھن پہلے ہی سے معلوم ہو جایا کرتے تو دنیا میں نہ کوئی بچہ ہونے دیتا اور نہ ایجاد۔

خون، مشک، عشق اور ناجائز دولت کی طرح عمر بھی چھپائے نہیں چھپتی۔

بندر میں ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی عیب نظر نہیں آتا کہ وہ انسان کا جد اعلی ہے۔

شیر، ہوائی جہاز، گولی، ٹرک اور پٹھان ریورس گیئر میں چل ہی نہیں سکتے۔

بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مستقل اور دل پسند سواری درحقیقت رعایا ہوتی ہے۔

میں نے کبھی پختہ کار مولوی یا مزاح نگار کو محض تقریر و تحریر کی پاداش میں جیل جاتے نہیں دیکھا۔

مزاح، مذہب اور الکحل ہر چیز میں بآسانی حل ہو جاتے ہیں۔

ذکر گناہ عمل گناہ سے کہیں زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

دنیا میں غیبت سے زیادہ زود ہضم کوئی چیز نہیں۔

یوں تو دنیا میں غیبت سے زیادہ زود ہضم کوئی چیز نہیں لیکن یہ کباب بھی حلق سے اترتے ہی جزو بدن ہو جاتے ہیں۔

جتنا وقت اور روپیہ بچوں کو ''مسلمانوں کے سائنس پر احسانات'' رٹانے میں صرف کیا جاتا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی بچوں کو سائنس پڑھانے میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں پر بڑا احسان ہوگا۔

یاد رکھو، ہر وہ جانور جسے مسلمان کھا سکتے ہیں، پاک ہے۔

جس آسمان پر کبوتر، شفق، پتنگ اور ستارے نہ ہوں ایسے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

جاڑے اور بڑھاپے کو جتنا محسوس کرو گے اتنا ہی لگتا چلا جائے گا۔

محاورے زبان کے بڑھے ہوئے ناخن ہوتے ہیں۔

تھانے، حوالات یا جیل میں آدمی چار گھنٹے بھی گزار لے تو زندگی اور حضرت انسان کے بارے میں اتنا کچھ سیکھ لے گا کہ یونیورسٹی میں چالیس برس رہ کر بھی نہیں سیکھ سکتا۔

آزاد شاعری کی مثال ایسی ہے جیسے بغیر نیٹ کے ٹینس کھیلنا۔

طعن و تشنیع سے اگر دوسروں کی اصلاح ہو جاتی تو بارود ایجاد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

بعض اوقات غریب کو مونچھ اس لیے رکھنی پڑتی ہے کہ وقت ضرورت نیچی کر کے جان کی امان پائے۔

آپ راشی، زانی اور شرابی کو ہمیشہ خوش اخلاق، ملنسار اور میٹھا پائیں گے۔ اس واسطے کہ وہ نخوت، سخت گیری اور بدمزاجی افورڈ ہی نہیں کر سکتے۔

میٹھا پان، ٹھمری اور ناول، یہ سب نابالغوں کے شغل ہیں۔

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL 07792998973

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

- Road Accident

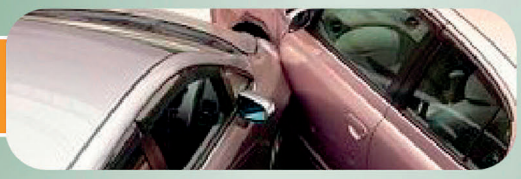

- Personal Injury

- Accident at Work

- Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

TAKE AWAY - DELIVERY
OPEN 7 DAYS A WEEK
TILL LATE

ZheGerman

DONER & SHAKE

DONER KEBAB
£5.99
WITH FRIES & DRINK
£7.99

Seriously German Kebabs...

Follow us ZheGermanUK

Free Delivery Call us

TEL: 020 3638 4216

Delivery Prices are Different

Website Order 10% OFF

www.zhegerman.com

BRANCH 1 : 21 Morden court Parade, Morden SM4 5HJ

BRANCH 2 : Broadway Market, Tooting High Street London Sw17 0RJ

100% HALAL

FOR DELIVERY, ORDER VIA OUR DELIVERY PARTNERS

UBER eats | JUST EAT | deliveroo